''میں لڑ سکتی ہوں گی۔'' سامنے تیز تیز بھاگ کر جاگنگ کرتے ایک لڑکے کو دیکھ کر وہ بے خود سا بولا۔

''ہوں۔''

''اور.... آپ.... کیسی ہیں؟'' اس کے سرد خشک رویے پہ وہ بس اتنا پوچھ سکا۔

''پہلے جیسی ہوں۔ ابھی کھانا کھا رہی تھی۔''

''اوہ ہاں' آپ کی تو دوپہر ہوگی۔ بڑے ابا جلدی کھانا کھا لیتے ہیں نا۔'' وہ خفیف سا ہنسا۔ زمر خاموشی سے نوالہ منہ میں رکھ رہی تھی۔ مدی چپ ہو گیا۔ پھر دوبارہ کوشش کی۔

''میں... آج مال جا رہا تھا دوست کے ساتھ۔ کچھ چاہیے آپ کو؟''

''صرف سکون۔ اور وہ ادھر سے نہیں ملتا۔''

وہ پھر چپ ہو گیا، مرجھا گیا۔ آہستہ سے بولا۔ ''چلیں آپ کھانا کھائیں میں فون رکھتا ہوں' زمر....'' قدرے وقفے سے اضافہ کیا ''زمر پھپھو!'' تب احساس ہوا کہ بات کے آغاز میں اس نے کیوں یاد کرایا تھا۔ اکیس سال ''زمر'' تھی' اب وہ پھپھو بن گئی تھی۔ بھتیجے نے فون بند کر دیا۔ زمر نے بھی موبائل میز پہ رکھ دیا۔

''اس سے کیوں ناراض ہو؟'' وہ غور سے اسے دیکھنے لگے۔

''میں اس سے ناراض نہیں ہوں۔ وہ میرا بچہ ہے' بچوں سے کون مقابلہ کرتا ہے؟''

''پھر اس کو یہ کیوں کہا کہ زمر ''پھپھو'' بول رہی ہوں؟''

''او کے آپ ہمارا کھانا خراب کرنا چاہتے ہیں تو ایسے ہی سہی۔'' پلیٹ پرے ہٹائی' اور سر اٹھا کر سنجیدگی سے ان کو دیکھا۔ ''وہ اس وقت کہاں تھا جب میں بیمار تھی؟ میرا آپریشن تھا ابا۔ حماد نے منگنی توڑ دی تھی' ایک اجنبی عورت مجھے گردہ تک دے سکتی ہے' مگر وہ سعدی جس کو میں نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا تھا' وہ ایک دن بھی میرے لئے نہیں رک سکا۔ وہ میرے پاس کیوں نہیں تھا اس وقت جب مجھے اس کی ضرورت تھی؟''

''یہ تب کیوں نہیں کہا جب اس نے فون کیا تھا؟''

اس نے گہری سانس لے کر سر جھٹکا۔ بولی کچھ نہیں۔

''تمہیں اصل غصہ اس بات پہ ہے کہ سعدی نے تمہارے مقابلے میں فارس کا یقین کیا۔'' اور اس نام پہ اس کی آنکھوں میں سرخی امڈ آئی۔

''اگر آپ بھول گئے ہیں تو میں آپ کو یاد کروا دوں کہ فارس کا نام میرے سامنے مت لیا کریں۔ اس نے مجھ پہ گولی چلائی' اس نے میری زندگی برباد کر دی' اور اب بھی وہ آپ سب کو معصوم لگتا ہے۔'' زور سے نیپکین پرے ہٹایا۔

''تو پھر تم اس کے خلاف کیس کو خود کیوں نہیں لیتی؟ اگر اتنا یقین ہے تمہیں اس کے مجرم ہونے کا؟''

''کیونکہ میں تکلیف میں ہوں اور میں اس تکلیف کو بڑھانا نہیں چاہتی۔ بیان دے دیا' گواہی بھی دوں گی' مگر آگے سرکار جانے اور فارس غازی۔'' تلخی سے' گویا پھٹے دل سے کہتی اس نے آخر میں بہت دکھ سے ابا کو دیکھا۔ ''اور کیونکہ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ ندرت بھابھی کیوں آپریشن کے دن سے آج تک مجھ سے ملنے نہیں آئیں۔ مجھے بار بار جھوٹا کہلوائے جانے کا شوق نہیں ہے۔''

موبائل اور پرس اٹھایا اور بڑبڑاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بابا جی ساری عمر کہتے رہے کہ وہ نہیں رکھتا تعلق تو میں کیوں رکھوں' سوچ سوچ کر ایک دن ہم تنہا ہو جائیں گے۔''

''میں تنہا ہو چکی ہوں۔تھینک یو ابا۔'' کاغذات سمیٹے' پرس کندھے پہ لٹکایا اور کرسی پیچھے دھکیلی۔انہوں نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اب کہاں جا رہی ہو؟''

''سعدی کی فیس جمع کروانی ہے۔''

اور وہ ایک دم لاجواب سے ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

''مگر تم...تم تو اس پہ غصہ تھیں' زمر!''

''کیا مطلب؟ ہاں' مجھے اس پہ غصہ ہے' لیکن آپ نے کیا سمجھا تھا؟ میں اس کی فیس جمع کروانا چھوڑ دوں گی؟ اوہ ابا۔'' کراہ کر ناگواری سے ان کو دیکھا۔''وہ بچہ ہے' میں نہیں۔'' اور چیزیں لئے باہر نکل گئی۔

بڑے ابا نے ایک نظر ادھورے کھانے پہ ڈالی۔یہ اگلے چار سال تک کے اکثر ادھورے رہ جانے والے کھانوں کا آغاز تھا۔

کار میں بیٹھنے تک اس نے ایک دو مزید کالز سنیں جو آفس سے تھیں۔اس کے بعد وہ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی' لب کاٹتے ہوئے' پر سوچ نظروں سے سامنے دیکھتی رہی۔چہرے پہ الجھن تھی۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاشم کو کیسے ملیں میرے گواہ کی معلومات؟'' اچنبھے سے وہ بڑبڑائی۔کچھ دیر بیٹھی سوچتی رہی' پھر ایک دم چونکی۔ بے اختیار موبائل کو دیکھا۔چہرے پہ تعجب ابھرا۔پھر غصہ۔

ہاشم کا نمبر ملا کر فون کان سے لگایا۔لب سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

''ہیلو میڈم پراسیکیوٹر۔مجھے کیسے یاد کیا اتنے دنوں بعد؟'' وہ ہمیشہ کی طرح خوشگوار سا بولا تھا۔

''بہت مبارک ہو۔آپ نے نعمان اکرم بنام افضل کاٹھیاواری کو' یعنی میرے کیس کو خراب کر دیا' ہاشم!''

''او کے' اور میں نے کیا کیا ہے؟''

''میری سرجری سے پہلے آپ نے مجھ سے میرا فون لیا تھا' فارس کی کال ریکارڈز وغیرہ کے لئے' مگر درحقیقت آپ نے اس میں سے میرے گواہ کا نمبر اور پتہ نکالا' اسے ٹریس کیا' اس کا پیسے یا فیورز دے کر منہ بند کروایا اور گواہی بدلوا دی۔تھینک یو سو مچ ہاشم!'' ضبط کرتے کرتے بھی آواز بلند ہو گئی۔

''آپ کو لگتا ہے کہ آپ اندر آپریشن ٹیبل پہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہوں گی اور میں باہر آپ کے فون کا غلط استعمال کر رہا ہوں گا؟''

''آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے میرے فون سے اس کا نمبر نہیں لیا؟''

''نہیں۔میں کہہ رہا ہوں' کہ میں نے ڈاکٹرز کے باہر آ جانے اور آپریشن کی کامیابی کی اطلاع ملنے کے ''بعد'' آپ کا فون کھولا تھا۔'' وہ مزے سے بولا تھا۔

''آہ! آپ کی انسانی ہمدردی!'' تھک کر گہری سانس لی۔''اور جب آپ نے مجھے کہا تھا کہ آپ کو میری بات پہ یقین ہے تو مجھے لگا کہ آپ بدل گئے ہیں' مگر نہیں' آپ آج بھی ویسے ہی ہیں۔''

''سو تو ہوں۔سی یو ان کورٹ۔تب تک آپ کوئی نیا گواہ تیار کریں۔'' محظوظ سا کہتے ہوئے اس نے کال بند کی اور زمر نے ''اُف'' کر کے جھرجھری لی۔ابھی فون رکھا ہی تھی کہ وہ دوبارہ بج اٹھا۔نمبر دیکھ کر زمر کے ابرو تن گئے۔ناگواری سے اس نے کال اٹھائی۔

''جی ایڈووکیٹ محمود؟''

''میڈم' آپ سے ایک....''

میرا جواب ناں میں ہے۔اپنے کلائنٹ فارس غازی سے کہیے کہ بار بار مجھ سے ملاقات کے لئے اصرار نہ کیا کرے۔''

''آپ صرف ایک دفعہ اس سے مل کر تسلی سے اس کی بات سن لیں۔اس کا پوائنٹ آف ویو بھی تو جاننے کی کوشش کریں۔ایک وکیل کی حیثیت سے آپ کو کیس کے دونوں پہلوؤں پہ نظر ڈالنی چاہیے۔''

''شاید آپ بھول رہے ہیں کہ میں اس کیس کی وکیل نہیں ہوں۔نہ پراسیکیوٹر نہ ڈیفینڈر۔میں اس کیس کی Victim ہوں اور وکٹم کے لئے کوئی دوسری سائیڈ نہیں ہوتی۔''

''اوکے' لیکن ایک دفعہ اس کی بات سننے میں کیا حرج ہے؟'' وہ نرمی سے سمجھانے لگے۔زمر نے بات کاٹ دی۔

''میں ضرور سنتی اگر وہ کہتا کہ کسی نے اس سے گن پوائنٹ پہ کال کروائی ہے' تب میں اس کو بے گناہ بھی تصور کر لیتی' مگر جب وہ سرے سے ہر چیز سے انکاری ہے' جب وہ مجھے جھوٹا کہہ رہا ہے' تو میں کیوں سنوں؟''

''مگر ایک وکیل کی حیثیت سے۔۔''

''کیا وکیل وکیل کی رٹ لگا رہے ہیں آپ؟ جب ایک وکیل کی حیثیت سے اس کی منت کی تھی کہ اس کا کیس لڑوں گی اور وہ مجھے نہ مارے،تب اس نے سنی تھی میری بات؟ آئندہ مجھے فون مت کیجئے گا۔''

اور ٹھک سے کال کاٹ دی۔

.....❖❖❖.....

قفس اداس ہے یارو صبا سے کچھ تو کہو ..... کہیں تو بہر خدا آج ذکر یار چلے

جیل کے اس کمرے میں بچھی میز کے ایک طرف فارس تھا اور دوسری جانب حنین اور ندرت۔وہ خاموشی سے بیٹھا تھا۔پہلے والا طنطنہ' اکڑ' غصہ سب ندارد تھا اور وہ اس کے برعکس کافی ڈھیلا لگ رہا تھا۔

''یہاں مت آیا کریں' وہ بھی حنہ کو لے کر۔کتنی دفعہ بتاؤں،یہ کوئی ماحول ہے آنے والا؟'' اس نے خفگی سے ندرت کو مخاطب کیا مگر انداز میں تکان تھی۔

''سعدی واپس جا چکا ہے۔شوہر میرا مر چکا ہے' دوسرا بھائی بھی قتل ہو چکا ہے' اور کیا کروں؟'' ندرت روہانسی ہو گئیں۔

''امی آپ یہ میلوڈرامہ کافی دیر سے کر رہی ہیں' اب بس کر دیں۔'' وہ چڑ کر بولی تو دونوں نے بے اختیار اسے دیکھا۔

''اتنی دیر سے سن رہی ہوں میں یہ باتیں۔بس کر دیں آپ دونوں۔اور امی' کر لیں نا آپ نے جو باتیں کرنی تھیں۔اب باہر انتظار کریں۔مجھے ماموں سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔''

''تمیز نام کی چیز میری اولاد کو چھو کر نہیں گزری،تم گھر پہنچو میں بتاتی ہوں۔'' آنکھ کا کنارہ صاف کرتیں،ندرت اس کو سخت سست سنا کر چلی گئیں تو وہ اثر لئے بنا سنجیدگی سے فارس کی طرف گھومی۔دوپٹہ سر پہ لئے عینک لگائے' وہ خفا نظر آ رہی تھی

''کیا آپ کی پھپھو سے بات ہوئی؟''

''نہیں۔وہ ملنا نہیں چاہتیں۔'' وہ میز پہ رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔حنین اس کو دیکھتی رہی،یہاں تک کہ ایک پرانا منظر آنکھوں کے سامنے سے گزرا۔۔۔

چھوٹی حنین۔۔۔خفا اور خاموش سی باغیچے کے کونے میں بیٹھی تھی،اور فارس اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا پوچھ رہا تھا۔

''اور پھر امی نے تمہیں ڈانٹا؟''

''صرف ڈانٹا؟ وہ تب سے مجھے ڈانٹ رہی ہیں، جب سے میں نے گملہ توڑا ہے۔ میرا دل کر رہا ہے میں مر جاؤں۔'' (اس عمر میں اسے مرنے کی بڑی فینٹسی ہوتی تھی۔)

''اور؟''

''اور کیا؟''

''اور کیا دل چاہ رہا ہے تمہارا؟''

''یہی کہ میں جنت میں چلی جاؤں، وہاں میرے پاس بڑا سا گھر ہو۔''

''اور؟'' وہ نرمی سے پوچھتا جا رہا تھا اور وہ بتاتی جا رہی تھی۔۔۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' اس کی آواز پہ حنہ چونکی۔ وہ تکان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیوں نہیں کہتے جو کہنا چاہتے ہیں؟ کب تک اپنی فیلنگز اور سوچ کو اندر دبا کر رکھیں گیں؟ آپ کو پھپھو پہ غصہ ہے نا۔ تو کہہ دیں۔ جو بھی اندر ہے نکال دیں۔''

''ہاں مجھے غصہ ہے اس پر۔ اس نے ایک دفعہ بھی نہیں سوچا کہ.... کہ میں۔۔'' تلخی سے کہتے کہتے وہ رکا۔

''کہ میں؟''

''کہ میں کس تکلیف میں ہوں۔ جو مری ہے' وہ میری بیوی تھی اور مجھے وہ بہت پیاری تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ ہمارے ساتھ کھڑی ہوتی اور میری بیوی کے قاتلوں تک پہنچنے میں ہماری مدد کرتی' وہ مجھ پہ الزام لگا رہی ہے۔ ہونہہ۔'' مٹھیاں بھینچ کر کہتے اس نے سر جھٹکا۔

''اور؟''

''اور تمہیں پتہ ہے جیل کیسی ہوتی ہے؟ تاریک اور خالی۔''

''اور؟'' وہ سکون سے پوچھے گئی۔ فارس نے گہری سانس لی، اور پھر سے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگا۔

''اور جب رات ہوتی ہے اور بتیاں بجھا دی جاتی ہیں' میں تب بھی سلاخوں کے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں' اس حصے میں جہاں روشنی کی کرن صبح سب سے پہلے گرتی ہو۔ اس اندھیرے میں سب سے زیادہ زرتاشہ یاد آتی ہے۔ اس کو اندھیرے سے ڈر لگتا تھا۔ وہ رات کو سوتے وقت بھی ڈریسنگ روم اور ٹیرس کی بتیاں جلا دیتی تھی۔'' کہتے ہوئے وہ رکا۔ اب اس کا سر جھکا تھا' اور کہنیاں میز پہ رکھی تھیں۔ دونوں ہاتھوں سے پیشانی مسلتا رہا۔ حنین بس اسے دیکھے گئی

''اور؟'' اس نے سر اٹھایا' تھکاوٹ سے چور آنکھوں سے بائیں جانب دیوار کو دیکھنے لگا۔ کچھ یاد آیا' چہرے پہ اداس سی مسکراہٹ ابھری۔ حنین نے عرصے بعد فارس کو مسکراتے دیکھا تھا۔

''وہ بہت پیاری تھی حنہ۔ جب شادی ہوئی' مجھے پسند نہیں تھی وہ۔ امیچور' بچگانہ اور بے وقوف لگتی تھی۔ مگر ایک دفعہ میں بیمار ہوا تو وہ فجر تک جاگی رہی۔ ہاں' بتی اس نے اس رات بجھا دی۔ ساری بتیاں۔ کہیں میں ڈسٹرب نہ ہوں۔ اس دن سے وہ مجھے اچھی لگنے لگی تھی۔ حنین جب پولیس مجھ سے پوچھ گچھ کرنے آ رہی تھی' تب بھی وہ میرے ساتھ تھی۔ اسے یقین تھا میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔''

''اور؟''

''اور میں زمر سے مل کر اس سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ زرتاشہ کو وہاں کس نے بلایا تھا؟ اور یہ کہ اس نے آخری باتیں کیا کہی تھیں؟ ریسٹورانٹ والے کہتے ہیں' وہ دونوں کافی دیر وہاں بیٹھی باتیں کرتی رہی تھیں۔ سی سی ٹی وی فوٹیج میں صرف اس لئے نکلوانا چاہتا تھا کہ دیکھ

ملوں' وہ ناراض تو نہیں لگ رہی تھی۔ میں کال پہ اس سے ٹھیک سے بات نہیں کر سکا تھا، مگر....'' اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔ ''مگر ہر وہ فوٹیج جو ہمارے لئے ضروری تھی' وہ غائب ہے۔''

''نہ صرف ریسٹورانٹ کی فوٹیج' بلکہ وارث ماموں کے قتل کی رات ہوٹل انٹری اور ایگزٹ کی فوٹیجز بھی غائب ہیں۔ فائرنگ والے ان اتفاق سے اسی فلور کے کیمرے خراب تھے' کمرہ بھی آپ کے نام تھا' جو ریسپشنسٹ اس وقت ڈیسک پہ تھی جب اس کمرے کی چابی لی گئی' وہ بھی غائب ہے۔ آپ کو بری طرح پھنسایا گیا ہے ماموں اس سب میں۔'' وہ ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے اداسی سے کہہ رہی تھی۔

''مگر زمران تمام واقعات کو کیوں نہیں دیکھتیں؟ کیوں میری بات نہیں سنتیں؟ مجھے اس میں پھنسایا جا رہا ہے۔''

''وہ کہتی ہیں' ایک انٹیلی جنس آفیسر کو کون ٹریپ کر سکتا ہے؟''

''کیسے نہیں ٹریپ کر سکتا؟ یہ ہاشم کا سیکیورٹی آفیسر خاور' یہ بھی پہلے ایک ایجنسی میں تھا' پھر کسی ناکردہ جرم کی پاداش میں نکالا گیا۔ ہاشم نے اس کا کیس لڑا اور اس کو بری کروا کر اپنے پاس لے آیا۔''

چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ وہ کافی دیر سے بول رہا تھا' اس لئے اب تھک چکا تھا۔

''آپ کے ایجنسی کے دوست' سینئرز... کوئی نہیں ہے جو ہماری مدد کر سکے؟''

''حنین یہ ایجنسیاں تب تک ساتھ دیتی ہیں جب تک آپ ان میں شامل ہیں۔ جب نکال دیے جاؤ تو سب ختم۔''

''مگر آپ کا کون دشمن ہو سکتا ہے؟ کسی پہ تو شک ہوگا آپ کو۔''

''دشمن تو بہت ہیں۔ کتنے کیسز دیکھے' یاد بھی نہیں۔ مگر یہ میرے دشمن نے نہیں کیا۔ یہ وارث کے قتل کو کور کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ اور....'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ آنکھوں میں چبھن سی ابھری۔

''اور؟'' حنین نے بغور اس کو دیکھا۔

''مجھے ہاشم پہ شک ہے۔''

''اوہ....'' حنہ گہری سانس لے کر پیچھے ہوئی۔ ''مجھے معلوم ہے جو آپ نے بھائی سے کہا اور ہاشم بھائی نے سن لیا' وغیرہ وغیرہ۔ ویسے آئیڈیا برا نہیں ہے۔ آپ کی جگہ یہاں ہاشم بھائی کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوتی۔'' اس نے مسکرا کر آنکھیں بند کر کے جیسے مزہ لیا۔ ''مگر ابھی آپ نے کہا کہ یہ سب کرنے والا آپ کا نہیں وارث ماموں کا دشمن ہے۔ تو ہاشم بھائی کی ان سے کیا دشمنی؟ اور ویسے وہ قاتل لگتے تو نہیں ہیں۔''

''میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ہاشم نے قتل کروائے ہیں۔ مگر مجھے اس میں وہ پھنسا سکتا ہے۔ سب سے بڑی بات۔ میری کار میں جو بھی ڈالا گیا سوڈا لا گیا' مگر جس صبح میں اور تم علیشا کے پاس ہوٹل گئے تھے' تب پیچھے سے میرے گھر کی بیسمنٹ سے میرے گن چرائی گئی۔ نہ کوئی لاک ٹوٹا' نہ دروازہ۔ اتنے گارڈ' سیکیورٹی چیک پوائنٹس اور سی ٹی وی کیمروں کے ہوتے ہوئے بھی کوئی کیسے میرے گھر میں داخل ہو سکتا ہے اگر ہاشم اس کی مدد نہ کرے تو؟''

''خیر جھول تو ہر سیکیورٹی سسٹم میں ہوتے ہیں۔ جب لوگ پینٹاگون پہنچ سکتے ہیں' تو کاردارز کا قصر کیا چیز ہے؟'' حنین کو بات دل کو لگتی ہوئی نہیں لگتی تھی۔

''اور ہاشم کی بہن؟ وہ کیوں چلی گئی؟''

''بتایا تو تھا' وہ میری وجہ سے گئی۔ میرے پہ غصہ جو تھا' وہ ہی نکالا اس نے۔''

''اور اگر اس کو ہاشم نے ڈرا دھمکا کر بھیجا ہو تو؟ حنین میں اس آدمی پہ اعتبار نہیں کرتا۔ وہ صبح اٹھتے وقت آنکھ کھولنے سے پہلے جھوٹ

بولتا ہے۔اب یہ مت کہنا وہ میرے لئے بہترین وکیل مقرر کر رہا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ بہت مخلص ہے۔تمہیں پتہ ہے....'' وہ بتاتے بتاتے رکا۔

''کہہ دیں۔میں سن رہی ہوں۔میں ہمیشہ سنوں گی۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔

فارس نے سر اثبات میں ہلایا اور انگلیاں آپس میں مسلتے ہوئے کہنا لگا۔''ہم چھوٹے تھے تو ماموں ہم سب کے لئے کھلونے لائے۔ہاشم کو ٹوائے پستول دیا' مجھے ٹوائے رائفل۔ہاشم میرے پاس آیا اور کہا' تمہاری رائفل تو بالکل اچھی نہیں' اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو ڈیڈ کو یہ واپس کر کے اس سے بہتر لے لیتا۔میں یہ سن کر فوراً گیا اور ماموں کو وہ واپس کر دی۔ماموں کو میرے رویے سے بہت افسوس ہوا۔ انہوں نے ایک اور کھلونا مجھے تھما دیا اور وہ رائفل کافی دکھ سے سامنے کر کے پوچھا' کیا کوئی یہ لے گا؟ ہاشم فوراً گیا اور بہت تابعداری سے وہ لے لی۔بعد میں میں نے پوچھا کہ اگر خود لینے کا دل تھا تو مجھے وہ سب کیوں کہا؟ تو وہ بولا' میں نے تو صبح سے تم سے بات بھی نہیں کی۔اور آگے بڑھ گیا۔اس دن میں اپنے ماموں کے دل سے اتر گیا اور ہاشم میرے دل سے۔''

''مگر ہم یہاں اصلی گنز کی بات کر رہے ہیں ماموں۔ہاشم بھائی برے ہوں گے' کرپٹ اور جھوٹے بھی' مگر ان کے پاس یہ سب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔کوئی ایک بھی چیز آپ کے ماموں یا ان کے خاندان کو اس سب میں ملوث نہیں کرتی دکھائی دیتی۔مجھے لگتا ہے' اورنگزیب کاردار کے علی الاعلان آپ سے اظہارِ لاتعلقی کے باعث آپ ان سے ناراضگی کی وجہ سے ایسا سوچ رہے ہیں۔''

''ہوں۔شاید۔'' وہ پرسوچ نظروں سے دور دیوار کو دیکھتا نیم قائل ہو گیا۔یا پھر اب بھی مشکوک تھا۔اس کو خود نہیں معلوم تھا۔

ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔صدا دینے والے نے صدا لگائی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔فارس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور ستے چہرے کے ساتھ مسکرا دیا۔

''تھینک یو حنہ۔دوسری دفعہ میری بات سننے کے لئے۔''

(اور پہلی دفعہ کب تھا؟ حنہ کو یاد آیا۔وارث ماموں کے قتل والی رات' ہوٹل میں جب اس نے ذکر کیا تھا۔اس لونگ کا۔)

''میں ہمیشہ سنوں گی۔چاہے پھپھو نہ بھی سنیں۔'' وہ رکی' ذرا ہچکچائی۔

''جب آپ ان سے ملنا تو ان پہ غصہ نہ کرنا۔وہ تکلیف سے گزری ہیں' اور شاید ایسی تکلیف سے گزرنے کے بعد میں بھی یہی کرتی۔''

''یہی مسئلہ ہے حنین۔کہ صرف وہی تکلیف سے نہیں گزریں۔''

''اپنا خیال رکھیے گا۔''

''سنو۔'' وہ جا رہی تھی جب فارس نے پکارا۔وہ بے اختیار مڑی۔

''جی؟''

وہ چند لمحے دیکھتا رہا' پھر آہستہ سے بولا۔''میں یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔کیا تم لوگ مجھے یہاں سے نکال لو گے؟'' اور بدقت یہ کہتے ہوئے اس کی آواز میں ڈھیروں بے بسی اور کرب در آیا تھا۔حنین کو دھکا سا لگا۔وہ بہت کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر....

''کاش میں نجومی ہوتی۔'' کہا اور باہر نکل آئی۔فارس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔وہ ایک سرنگ کے اندر کھڑا تھا جہاں دونوں طرف اندھیرا تھا۔اور دونوں طرف کا منہ بند تھا۔

❖❖❖

زمر سے بات کر کے ہاشم نے موبائل جیب میں رکھا' اور سامنے دیکھا۔وہ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑا تھا اور یہاں نشیب میں

ا ا ا فارس کا گھر نظر آتا تھا۔

دوسرے ہاتھ میں پکڑے مگ سے کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے وہ ریلنگ پہ جھک کر' سوچتے ہوئے انیکسی کو دیکھنے لگا،

''تم پہلے سے زیادہ پرسکون نظر آ رہے ہو؟'' جواہرات عقب سے چلتی ہوئی آئی اور اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ ہاشم نے بدستور ا ا ا ہلتے ہوئے ذرا سے شانے اچکائے۔

''مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔ میرے ہاتھ صاف ہیں۔''

''اور میرا خوف بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ سارا ڈرامہ اگر کھل گیا تو؟''

''کچھ نہیں ہوگا۔ صرف دو لوگ ہمارے لئے خطرہ بن سکتے تھے۔ فارس اور زمر۔ اب دونوں مصروف ہیں۔ فارس کا وکیل کیس کو ا ا ا جائے گا۔ پیشی پہ پیشی۔ کمزور دفاع۔ اور اگلے آٹھ دس سال تو فارس جیل سے نہیں نکلنے والا۔'' کہتے ہوئے رک کر' گھونٹ ا ا جواہرات مضطرب سی اس کو دیکھے جا رہی تھی۔

''رہی زمر۔ تو وہ اپنے علاج میں' مصروف رہے گی۔ ہوسکتا ہے جلد ہی اس کی شادی ہو جائے' تو وہ منظر سے بالکل آؤٹ ہو ا ے۔''

کافی ختم کر کے' مگ پیچھے میز پہ دھرا' اور ریلنگ سے ٹیک لگا کر' سینے پہ بازو لپیٹے ماں کو مسکرا کر دیکھا۔ ''اور زرتاشہ کا خاندان تو ویسے ا ا فارس کو مجرم گردانتا ہے۔ کوئی بھی میرے پیچھے نہیں آنے والا۔''

تم سعدی کو بھول رہے ہو۔''

''سعدی؟ وہ تو چھوٹا معصوم سا بچہ ہے۔ اس نے فارس کو مجھ پہ چھوڑ دیا ہے' دو سال تک تو وہ پڑھائی کے لئے انگلینڈ رہے گا' پھر ا ا ا جاب کرے گا' کیا پتہ فیملی کو بھی وہاں بلا لے۔ باہر جا کر کون واپس آتا ہے؟ اس کی کیا فکر کرنی؟'' لاپرواہی سے ابرو اچکا کر وہ بولا تھا' جیسے ا ا جواہرات کے ان وہموں پہ تعجب ہوا ہو۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' اس نے بھی اچھی امید کرنی چاہی۔ پھر دونوں ساتھ جا کھڑے ہوئے اور ویران انیکسی کو دیکھنے لگے۔

آج' چار سال بعد.... وہ انیکسی اتنی ویران نہیں تھی۔

اس کی بیسمنٹ میں' دیوار پہ لگی تصویروں اور تراشوں کے سامنے فارس کھڑا تھا' اور پیچھے کہیں سعدی بیٹھا چائے پی رہا تھا۔

تراشوں کے اوپر چلتی چار سال پرانی فلم ختم ہوئی تو فارس چونکا۔ پھر ہاتھ میں پکڑے کپ کو دیکھا۔ وہ ہنوز گرم تھا اور وہ اتنا پرانا سفر ا ے واپس بھی آ گیا تھا۔ ذہن کی رفتار روشنی کی رفتار سے کہیں زیادہ تھی۔

''کچھ کھلائیں گے یا میں جاؤں؟'' اپنا کپ خالی کر کے رکھتا سعدی اٹھا تو فارس چونک کر مڑا۔

جینز' جوگرز اور ٹی شرٹ میں ملبوس دراز قد لڑکا' چار سال قبل کے مقابلے میں زیادہ سنجیدہ' صحت مند' اور بڑا بڑا لگ رہا تھا۔ تول تول ا ا بولنے والا' مگر اچھا بولنے والا۔

''مرضی تمہاری۔'' ایک گھونٹ بھر کر اس نے میٹھی چائے رکھ دی۔ پھر کچھ سوچ کر موبائل اور والٹ اٹھایا۔ ''چلو ساتھ چلتے ہیں' آپا ے دو چار دن سے ملاقات نہیں ہوئی۔''

''جی مگر گھر میں پہلے دن جیسی خاطر نہیں ہوگی۔ بھنڈی بنا رہی تھیں' امی۔ اب آپ دو ہفتے پرانے ہو چکے ہیں۔'' سونف منہ میں بھر ا ا پھانکتے ہوئے وہ محظوظ سا کہتا سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔ فارس تبصرہ کیے بغیر پیچھے آیا۔

جب کار واپس روش پہ چلاتے ہوئے' وہ کار دار قصر کے قریب ہونے لگے تو سعدی نے دیکھا۔۔

ہاشم اور سونیا اپنے کتے سمیت ابھی تک لان میں کھڑے تھے۔ اب گیم کی نوعیت بدل گئی تھی۔

''میں ایک منٹ ہاشم بھائی سے بات کر کے آتا ہوں!'' وہ کار سائیڈ پہ روک کر باہر نکلا تو فارس نے بے زاری سے پیچھے سے پکارا، ''جلدی آنا''

اسے آتا دیکھ کر ہاشم نے سونیا سے کچھ کہا، وہ سر ہلا کر ایک طرف کو چلی گئی۔ سعدی قدم قدم چلتا قریب آیا۔

''ہیلو سعدی!'' ہاشم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ دونوں میں سے کسی نے مصافحے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

''بس ایک بات کہنی تھی۔ ہاشم بھائی۔'' وہ سنجیدگی سے اس کو دیکھتا کہنے لگا۔ ''شہرین چاہتی ہے کہ میں آپ سے بات کروں، اس لیے کر رہا ہوں۔ آپ سونیا کو اس کے ساتھ جانے دیں۔ انہوں نے اپنی فلائیٹ بھی آگے کروالی ہے۔''

''او کے، میں اسے جانے دوں گا، ایک شرط پہ۔''

سعدی کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''اور وہ کیا ہے؟''

''جو تم نے مجھ سے چرایا تھا، وہ واپس کر دو، اور میں سونی کو شہرین کے ساتھ جانے دوں گا۔ ڈیل؟'' جیب سے دایاں ہاتھ نکال کر ہاشم نے اس کی طرف بڑھایا۔ سعدی نے اس کی سرد مسکراہٹ کو دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ کو۔ فیصلہ کرنے کے لیے بس چند سیکنڈ تھے۔

.....❖❖❖.....

باب8:

میں غارت گر

تم ملو گے بہت سے زبردست لوگوں سے.....
بہ بانگ' نا قابل برداشت لوگ،
جو زور و شور سے تمہاری زندگی میں
اپنا حق جماتے ہوئے داخل ہو جاتے ہیں۔
یہ ہے نشانی ایک غارت گر کی....
غارت گر شکار کرتے ہیں نرمی' سکون' امن'
خوش خلقی' اور ہر اس مثبت چیز کا'
جو ان کو سونگھنے پہ کمزوری لگے۔
ہر خوش باش' پر سکون شے کو وہ
غلطی سے کمزوری سمجھ لیتے ہیں۔
تمہارا کام ان کو بدلنا نہیں۔
تمہارا کام ان کو دکھانا ہے کہ
تمہاری نرمی اور امن پسندی کمزوری نہیں ہے۔
میں ہمیشہ نازک اور کمزور لگتا ہوں'
مگر بات یہ ہے کہ'
میں نازک اور کمزور ہوں نہیں۔
میں نرم ہوں' مگر میں تمہیں دکھا سکتا ہوں کہ
نرمی میں بھی ایک زہر چھپا ہوتا ہے۔
میں ریشم کی مانند ہوں۔
لوگ ریشم کو کمزور سمجھتے ہیں'
مگر ایک ریشمی رومال بچا لیتا ہے انسان کو

بندوق کی گولی لگنے سے۔
بہت سے لوگ تمہیں کمزور سمجھ کر
تم سے دوستی کے خواہاں ہوں گے
غارت گروں کو درکار ہوتے ہیں ایسے دوست
جن پہ وہ حاوی ہو سکیں'
تا کہ ان کو اپنا آپ مضبوط اور اہم لگے۔
سچ تو یہ ہے کہ غارت گر میں نہ مضبوطی ہے نہ ہمت۔
یہ تم ہو جو مضبوط ہو اور ہمت والے ہو۔
میں نے بہت سے دوست کھوئے'
بوجہ اس کے کہ جب انہوں نے مجھے چیر پھاڑنا چاہا'
تو وہ ایسا نہیں کر سکے۔
اب وہ مجھے الزام دیتے ہیں دھوکہ دہی کا۔
میں دھوکہ نہیں دے رہا۔
میں تو بنا ہوں ریشم کا۔
وہی غلطی سے شرافت اور نرمی کو کمزوری گردان لیتے ہیں۔
دنیا بھری پڑی ہے غارت گروں سے
سو میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میری طرح
بن جاؤ ریشم!''
(جوائے بیل)

اور وہ سعدی جو ڈیڑھ برس سے ریشم بن چکا تھا، اس نے اپنے اچھے وقتوں کے غارت گر دوست کے بڑھے ہاتھ پہ چبھتی ہوئی نظر ڈالی اور فیصلہ کر لیا کہ اسے فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

''اور میں نے آپ سے کیا چرایا ہے بھلا؟''

''وہی جو تمہارے خیال میں پہلے میں نے تم سے چرایا تھا۔''

سعدی کا جبڑہ بھنچ گیا' آنکھوں میں سختی در آئی۔

''آپ میرے خیالات کو نہیں جانتے۔ ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔'' کہتے ہوئے وہ مڑنے لگا' پھر ٹھہر گیا۔ دور کار میں بیٹھا فارس اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ سعدی نے واپس دیکھا۔ ہاشم نے مسکراتے ہوئے ہاتھ بدستور بڑھا رکھا تھا۔

''جلد ملتے ہیں۔ آپ کے آفس میں۔'' اس نے ہاتھ ملا لیا' اور فوراً سے واپس کھینچ کر پلٹ گیا۔ کار میں بیٹھتے ہی فارس نے سوال کیا۔

''کیا کہہ رہا تھا ہاشم؟''

اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے اس نے سر جھکائے ذرا سے شانے اچکائے۔

''کچھ خاص نہیں۔ آفس کا ایک کام تھا۔ وہی پوچھ رہے تھے۔'' کار اسٹارٹ کر کے سر سیدھا کیا۔ فارس تو ہوں کہہ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا مگر سائیڈ مرر میں ہاشم دور کھڑا، مسکراتے ہوئے جیبوں میں ہاتھ ڈالے نظر آ رہا تھا۔ اس نے کار کی رفتار تیز کی تو ہاشم پیچھے رہ گیا۔

(وہی جو تمہارے خیال میں' میں نے تم سے چرایا تھا۔ اُف! اور یہ بات اسے کس نے بتائی ہوگی؟) ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے اسٹیئرنگ پہ موبائل رکھا' اور شہرین کا نمبر نکالا۔ کچھ غصے بھرا ٹائپ کرنے لگا' پھر ارادہ ترک کر دیا۔ یہ ٹیکسٹ پہ کرنے والی بات نہیں تھی۔

برے موڈ کے ساتھ اس نے اسپیڈ تیز کر دی۔

کار اب دور جا چکی تھی۔ ہاشم آہستہ سے پلٹ آیا۔

لاؤنج میں مرکزی صوفے پہ جواہرات ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی' موبائل پہ کچھ دیکھ رہی تھی۔ اتوار کے باعث اسے آفس نہیں جانا تھا' مگر وہ پھر بھی ہمیشہ کی طرح تر و تازہ اور تیار تھی۔

وہ قریبی صوفے پہ ڈھیر ہو گیا۔ پیر لمبے کر کے میز پہ رکھ لئے' اور انگلی سے ٹھوڑی مسلتا' پر سوچ نظروں سے سامنے دیکھنے لگا۔

جواہرات نے موبائل سے نگاہ اٹھائی۔

''پریشان لگ رہے ہو۔''

''نہیں تو۔'' وہ چونکا۔

''کچھ تو ہوا ہے۔'' وہ پھر سے موبائل پہ انگلی سے صفحہ اوپر کرنے لگی۔

''نہیں بس.... ابھی سعدی سے ملاقات ہوئی۔ وہ فارس سے ملنے آیا تھا۔''

''اور تمہیں یہ بات ڈسٹرب کر رہی ہے کہ سعدی سب جانتا ہے؟''

''کیا نہیں کرنی چاہیے؟'' اس کا موڈ بگڑا۔

''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب ہمارا وہم ہو۔ فارس کے لئے کوشش کرنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ وہ سب جانتا ہو۔''

مگر ہاشم نے سوچتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ''اونہوں۔ وہ جانتا ہے کہ یہ میں نے کیا ہے' مگر چونکہ اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے' اس لئے وہ برملا اظہار نہیں کر پا رہا۔ وہ فارس تک کو کچھ نہیں بتا رہا' اس کو دکھانے کے لیے اس نے مجھ سے ہاتھ بھی ملا لیا۔''

جواہرات نے موبائل پرے ڈال دیا اور چہرہ اٹھا کر بے چینی سے ہاشم کو دیکھا۔

''تو اب کیا ہوگا؟''

''سعدی کو میں سنبھال لوں گا' وہ ابھی بھی وہی معصوم بچہ ہے' مگر سوال یہ ہے کہ جب اس کے ہاتھ ثبوت نہیں لگا' تو اسے کیسے علم ہوا؟'' الجھ کر کہتے ہوئے اس نے ماں کو دیکھا۔ ''میں پچھلے ایک ہفتے سے' جب سے وہ میری پارٹی پہ میرے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کر گیا ہے' یہی سوچ رہا ہوں۔ میں نے بنا جھول کے پلان کیا تھا سب' ہر شے ٹھیک تھی' چار سال پہلے تک اسے نہیں پتہ تھا کچھ۔ پھر دو سال وہ انگلینڈ میں رہا' واپس آیا تب بھی اسے کچھ نہیں پتہ تھا۔ کتنا عرصہ ہو گیا ڈیڈ کی ڈیتھ کو؟''

''ایک سال پانچ ماہ۔'' جواہرات بے اختیار بولی' کرب سا ہر جگہ پھیل گیا۔

''ہوں۔ کل رات جب میں سعدی کی بہن سے بات کر رہا تھا فنکشن پہ، تو مجھے احساس ہوا کہ ڈیڈ کی ڈیتھ کے بعد سے وہ لوگ ہمارے گھر نہیں آئے۔ سونیا کی پچھلی برتھ ڈے پہ بھی نہیں آئے تھے۔ اگر میں اس دفعہ زمر سے نہ کہتا تو وہ اب بھی نہ آتے۔'' جواہرات نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''تمہارے باپ کی ڈیتھ سے چند دن پہلے سعدی نے فارس کا وکیل بدل دیا تھا' اور بعد میں اس نے تمہارے باز پرس کرنے پہ تم سے کافی بدتمیزی بھی کی تھی' یاد ہے؟ ہوسکتا ہے وہ اس رویے پہ شرمندگی کی وجہ سے نہ آیا ہو۔''

''یا پھر....'' ہاشم ایک دم سیدھا ہوا' وہ بری طرح چونکا تھا۔''یا پھر اس نے وکیل تب بدلا جب اسے ساری حقیقت کا علم ہوگیا تھا۔ کیا وہ....وہ ڈیڑھ سال سے جانتا ہے یہ سب؟'' اسے بے یقینی سی محسوس ہوئی۔

''اگر وہ اتنے عرصے سے جانتا ہے تو اب تک چپ کیوں تھا؟''

''وہ چاہتا تھا پہلے فارس باہر آجائے' اور پھر وہ میرے پیچھے آئے۔ مگر....اسے کیسے پتہ چلا ممی؟'' اور یہاں آکر ہاشم کا سارا دماغ الجھ جاتا۔ وہ چاہ کر بھی اس سوال کا جواب نہیں ڈھونڈ پا رہا تھا۔ کب غلطی ہوئی؟ کدھر غلطی ہوئی اور وہ ریشم بن گیا؟

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' اس نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے اور پھر سے موبائل اٹھالیا۔''کیا میں نے تمہیں نئی خبر دی؟ زمر فارس کے خلاف کچھ کرنے جارہی ہے۔''

سوچ میں الجھا ہاشم چونکا۔''نئی پٹیشن (مقدمے کی درخواست)؟''

''اونہوں۔ وہ اس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔''

وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔

''اس کا دماغ درست ہے؟''

''وہ اس سے انتقام کے لئے شادی کرنا چاہتی ہے۔''

اور یہ سب اس نے آپ کو کیوں بتایا؟''

''کیونکہ میں ہی اس کی مدد کرسکتی ہوں۔'' جواہرات نے محظوظ انداز میں شانے اچکائے۔ ہاشم کے تاثرات بگڑے۔

''انتقام کے بہت سے طریقے ہوتے ہیں' اسے شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''شاید اس کے منصوبے کے مطابق ان کے درمیان میرج کانٹریکٹ ہونا ضروری ہو۔ خیر میرے لئے یہ بات تشفی کا باعث ہے۔ اب ہمیں فارس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے لئے زمر کافی ہے۔''

مگر ہاشم بے چینی سے آگے کو ہوا۔

''اول تو فارس اس سے شادی نہیں کرے گا' اور اگر کر لی تو بھی کیا گارنٹی ہے کہ وہ اس سے انتقام لے گی؟ اگر اسے سب حقیقت معلوم ہوگئی' اور وہ جان گئی کہ فارس بے گناہ ہے تو؟''

''وہ کبھی نہیں جان پائے گی، وہ اس سے نفرت کرتی ہے!''

''اور اگر نفرت مرگئی تو؟....اگر انہیں ایک دوسرے سے محبت ہوگئی' اور وہ مل کر ہمارے خلاف کھڑے ہوگئے تو؟''

جواہرات نے سرد سانس خارج کر کے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''تم بھی جانتے ہو اور میں بھی جانتی ہوں کہ شادیاں محبت سے خالی ہوا کرتی ہیں۔''

ہاشم کی آنکھوں میں چھائی بے چینی' کرب میں بدل گئی۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ اس نے آہستہ سے سر ہلایا' اور اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات نے اسی جبری مسکراہٹ کے ساتھ اسے سیڑھیوں کی طرف جاتے دیکھا' اور پھر ہلکا سا سر جھٹکا۔ آنکھ کا کونہ' انگلی کی نوک سے پونچھا۔ موبائل پرے ڈال دیا' اور گردن موڑ کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

وہاں اتوار کی صبح اب باسی ہو کر دوپہر میں بدل رہی تھی۔ سبزہ اور ملازموں کی چہل پہل' سب یہاں سے دکھائی دیتا تھا' مگر وہ یہ

پ نہیں دیکھ رہی تھی۔ اسے کچھ اور یاد آ رہا تھا۔

ہاشم نے کہا' سعدی پچھلے ہفتے سونیا کی سالگرہ سے پہلے' آخری دفعہ ان کے گھر ڈیڑھ سال قبل آیا تھا۔

ہاشم نہیں جانتا تھا کہ سعدی نے وہاں آنا کیوں چھوڑا تھا۔ مگر وہ جانتی تھی' اور یہ بھی کہ وہ ہاشم کو کبھی نہیں بتائے گی۔

جواہرات نے سر جھٹکا۔ ابھی بہت سے کام کرنے تھے۔ یادِ ماضی کسی اور وقت سہی۔

.....❖❖❖.....

وقت کے کتنے دھاروں سے گزرنا ہے ابھی ..... زندگی ہے تو کئی رنگ سے مرنا ہے ابھی

سعدی کے جانے کے بعد سے اتوار کے ناشتے کے برتن یونہی میز پہ رکھے تھے۔ صداقت نجانے کن کاموں میں مصروف تھا' زمر نے ٹی وی دیکھتے ہوئے اسے آواز دی اور پھر چائے کا کپ اٹھا لیا۔ دفعتاً محسوس ہوا، بڑے ابا مسلسل اسے دیکھ رہے ہیں۔ مگر وہ ٹی وی کی طرف دیکھتی رہی۔

''کیسی رہی شادی؟''

نگاہیں اسکرین پہ جمائے' زمر نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''یہ تو چند برس بعد پتہ چلے گا کہ کیسی رہی شادی!''

''تم ٹھیک ہو؟'' وہ اس کی خوابیدہ آنکھوں کو تفکر سے دیکھ رہے تھے۔

''ہمیشہ سے بہتر۔'' آخری گھونٹ کپ اونچا کر کے اندر انڈیلا اور پھر ان کو دیکھا' ہلکا سا مسکرائی۔

''ایک بات پوچھوں' ابا؟''

''تم کب سے تمہید باندھنے لگیں؟''

''جب سے یہ معلوم ہوا کہ مجھے بہت کچھ معلوم نہیں تھا۔'' مسکراتی آنکھوں میں کرچیاں سی چبھیں مگر وہ ضبط کر کے ان کی طرف پوری گھوم گئی۔

''ابا کبھی فارس نے میرا رشتہ مانگا تھا؟''

بڑے ابا کے لئے سوال غیر متوقع تھا۔ وہ چونک گئے' کچھ کہنے کی کوشش کی مگر زبان نے ساتھ نہیں دیا۔ پراسیکیوٹر بھوری آنکھیں سکیڑ کر غور سے ان کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

''آپ نے انکار کیوں کیا؟''

''بس یہی لگا کہ تمہارا اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔''

''کس کو لگا؟ آپ کو یا امی کو؟''

''ہم دونوں کو۔'' احتیاط سے الفاظ کا چناؤ کیا۔

''مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

ہ ان کی آنکھوں میں دیکھتی سوال پہ سوال کر رہی تھی

''جب رشتہ نہیں کرنا تھا تو بتانے کا فائدہ؟''

''کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے فارس کو گھر بلا کر انکار کیا تھا' اور بے عزتی بھی کی تھی؟''

''ہرگز نہیں' فرحانہ نے ندرت کو فون پہ انکار کیا تھا' گھر بلانے والی بات کس نے کہی؟'' ان کو شدید حیرت اور صدمے کا جھٹکا لگا۔

زمر کے لبوں پہ زخمی مسکراہٹ آئی۔

''ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ دونوں نے انکار کیا تھا؟''

بڑے ابا لمحے بھر کو چپ رہ گئے۔ وہ اب تھوڑی ہتھیلی پہ رکھے' دلچسپی سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ کتنی دفعہ کی گئی خواہش انہوں نے دل میں دہرائی۔ کاش اس لڑکی کو وکیل نہ بنایا ہوتا۔

''اب دیر ہوگئی ہے' انکار مت کیجئے گا۔ آپ کی مرضی کے برخلاف انکار کیا امی نے' آپ صرف ان کے لئے میرے دل میں کوئی برا خیال نہ لانے کو کہہ رہے تھے۔ کیونکہ آپ مجھ سے ڈسکس کیے بنا کبھی انکار نہ کرتے۔''

''تمہاری امی نے....''

''اچھا فیصلہ کیا میرے لئے' مجھے پتہ ہے۔ مجھے کوئی شکایت نہیں۔ بس یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ کیا انہوں نے میرا نام لے کر انکار کیا تھا؟'' وہ ریموٹ اٹھا کر' اب ٹی وی کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئی۔ بڑے ابا ہنوز تفکر سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''حنین نے۔ اس کے خیال میں انکار میں نے کیا تھا۔''

''تم نے تصحیح نہیں کی؟'

''جب خیالات ذہن میں اتنے راسخ ہو چکے ہوں تو محض الفاظ سے ان کی نفی کر دینے کا کیا فائدہ؟'' وہ چینل بدلتے ہوئے گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔ ''میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ فارس شاید اتنا بھی برا نہیں جتنا میں سمجھتی تھی۔''

بڑے ابا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا کوئی بات ہوئی ہے؟''

''کوئی خاص نہیں۔ میں فارس کی کیس فائلز پڑھ رہی تھی' یہ دیکھنے کے لئے کہ جج نے کیوں اس کو بری کیا؟ مگر جج حق بجانب تھا' کوئی بھی چیز اس کو مجرم ثابت نہیں کرتی۔'' سرسری سے انداز میں کہتی وہ رک کر کوئی ہیڈ لائن پڑھنے لگی۔

''اور تم پھر بھی اس کو مجرم گردانتی ہو؟''

''ہوسکتا ہے میں غلط ہوں۔ یہ سب ایک سیٹ اپ ہو۔ شاید۔'' اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ بڑے ابا حیرت سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

''تمہارے خیالات اتنی جلدی نہیں بدل سکتے۔ کوئی اور بات ہے' ہے نا؟''

''میں نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا ہے' ابا۔ وہ مجرم ہے یا نہیں' مجھے فرق نہیں پڑتا اب۔ میں مزید اپنے دکھوں اور محرومیوں کا قصوروار اسے نہیں ٹھہراؤں گی۔ میں سعدی سے دوبارہ ملنے لگی ہوں' خاندان کی تقریبات میں جانے لگی ہوں' آپ یہی چاہتے تھے۔ اور اگلا قدم....'' اس نے گردن پھیر کو ان کو سنجیدگی سے دیکھا۔ ''آپ کہیں گے کہ میں شادی کر لوں۔''

''میں چار سال سے یہ کہہ رہا ہوں۔''

وہ چند لمحے ان کو تکتی رہی' پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔ نرمی سے' امن سے۔

''اوکے۔ میں کر لوں گی۔ جب آپ کہیں' جس سے آپ کہیں' لیکن اس دفعہ مجھ سے پوچھے بغیر آپ کسی کو انکار یا اقرار نہیں کریں گے۔''

اور یہ کہہ کر وہ پرسکون سی اٹھ آئی۔ بڑے ابا شل سے بیٹھے رہ گئے۔ کتنی دیر تو ان کا ضعیف دماغ الجھتا رہا' پھر بالآخر حیرت کی دھند چھٹی۔ امید کی کرن چھلکی۔

زمر نے بہت لمبے عرصے بعد سہی' ان کی بات مان لی تھی۔ سعدی لوگوں سے ''صلح'' اس کے لئے خوش آئیند ثابت ہوئی تھی۔
وہ خوشگوار سی حیرت میں گھرے ہوئے تھے۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی اپنی خوشی کس سے شیئر کریں۔ پھر جلدی سے فون اٹھایا۔ انہیں ندرت کو بتانا تھا۔

.....❖❖❖.....

لفظوں کو اس نے جھوٹ سکھایا کچھ اس طرح ..... ساری علامتوں سے معنی بھی لے گیا

اتوار کی دوپہر قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی۔ سنہری دھوپ نے ندرت کے ریسٹورانٹ کی شیشے کی دیواروں کو چمکا رکھا تھا۔ ندرت کچن میں' آستین چڑھائے' مصروف سی کھڑی' لڑکوں کو ہدایات دے رہی تھیں۔ ساتھ ہی چولہوں پہ پکتے پکوانوں کو دیکھ لیتیں۔ ان کاموں کے دوران انہوں نے دو فون اٹینڈ کیے تھے۔ ایک سعدی کا کہ وہ فارس کے ساتھ گھر پہنچ چکا ہے، جس پہ ندرت نے کھانا بھجوا دیا، خود وہ کسٹمرز کی وجہ سے جانے سے قاصر تھیں۔ اور دوسرا بڑے ابا کا۔ وہی پرانی بات۔ زمر کی شادی۔ البتہ اب کے ایک شے کا اضافہ ہوا تھا۔ زمر مان گئی تھی اور اب وہ چاہتے تھے کہ ندرت اس سلسلے میں ان کی مدد کریں۔ ندرت تب سے یہی سوچ رہی تھیں۔ رشتہ داروں میں کون سی جگہ بات چلائی جا سکتی ہے؟

تبھی کاؤنٹر والا جنید اندر آیا۔

''آنٹی!'' (وہ سب ندرت کو آنٹی کہتے تھے) ''کوئی مسز کاردار آئی ہیں' آپ کا پوچھ رہی ہیں۔''

''مسز کاردار؟ اوہو۔'' وہ جلدی جلدی ہاتھ دھو کر' کیپ اتارتیں' دوپٹہ درست کرتیں باہر آئیں تو شیشے کی دیوار کے ساتھ ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' سیدھے بھورے بالوں والی جواہرات بیٹھی تھی۔ وہ تیزی سے اس طرف آئیں،

''سوری' میں بس کچن میں لگی تھی' آپ کو انتظار کرنا پڑا۔'' وہ اس سے مل کر خواہ مخواہ شرمندہ ہو رہی تھیں۔ جواہرات اسی تمکنت سے الجھی مسکراتی رہی۔ نیوی بلیو لمبی قمیض' اور سفید پینٹ پہنے' وہ بغیر میک اپ کے بھی کافی تر و تازہ اور جوان لگتی تھی۔

''کیا آپ گھر گئی تھیں؟ مجھے بتایا ہوتا' میں ادھر ہی آ جاتی۔'' ندرت سامنے بیٹھتے ہوئے مزید فکر مند ہوئیں۔ مسز کاردار کی اب وہ کیا خاطر کریں' پہلی دفعہ جو آئی تھی۔

''مجھے کچھ بات کرنی تھی' اس کے لئے یہی جگہ درست تھی۔'' کہہ کر وہ پہلے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ سعدی کی جاب' ریسٹورانٹ کا نفع نقصان' مالی مسائل۔ تبھی جنید جوسز لے آیا۔ جواہرات نے اسٹرا لبوں سے چھو کر گھونٹ بھرا' پھر سیدھی ہو کر مسکراتے ہوئے ندرت کو دیکھا۔

''فارس ہم سب کی کوششوں سے باہر آ چکا ہے' آپ یقیناً بہت خوش ہوں گی۔''

بات میں صداقت تھی یا نہیں' انداز ایسا تھا کہ ندرت نے احسان کے بوجھ تلے سر تسلیم خم کیا۔

''آپ کے ساتھ کا شکریہ!''

''اب آپ کو اسے نارمل زندگی کی طرف لانا ہوگا۔ دوبارہ شادی' نئی فیملی وغیرہ۔''

''ابھی تو...'' ہچکچائیں۔ ''ابھی دو ہفتے تو ہوئے ہیں اسے رہا ہوئے۔''

''ہاں مگر زرتاشہ کی ڈیتھ کو تو چار سال ہو چکے ہیں' فارس مضبوط اعصاب کا مالک ہے' اب تک اس صدمے سے نکل چکا ہوگا۔''

''یہ تو ہے۔''

''آپ کو شاید اب سعدی کی شادی کی فکر ہوگی' اوہ اور ایسا کرتے ہوئے آپ اپنے بھائی کو بھول گئیں۔'' مسکرا کر اسٹرا گلاس میں

ہلاتے ہوئے وہ نرمی سے ٹوک گئی تو ندرت کو ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا۔

''نہیں نہیں' فارس کی شادی میرے ذہن میں تھی' میں بس چاہتی تھی کہ وہ ذرا سیٹل ہو جائے' اور پھر...وہ مان بھی جائے۔''

''وہ تو مان جائے گا' کون اپنی زندگی کی نئی شروعات نہیں کرنا چاہتا؟ اوہ آئی سی۔آپ کو یقیناً خاندان والوں کی پریشانی ہوگی۔'' سر اثبات میں ہلاتے اس نے ایک اور گھونٹ بھرا۔ندرت کی آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔

''خاندان والے....؟''

''وہ تو فارس کو قاتل سمجھتے ہیں نا۔وائف کلر، چچ چچ مگر لوگوں کا کیا ہے' وہ تو زمر کی وجہ سے ایسا سمجھتے ہیں۔زمر کی اہمیت ہے خاندان میں' اس نے کہا کہ ایسا ہے تو ایسا ہے۔مگر آپ فکر نہ کریں' کسی زمر جیسی لڑکی سے فارس کی شادی کروا دیں' سارا مسئلہ حل۔'' نزاکت سے شانے اچکا کر وہ اسٹرا گلاس میں گول گول گھما رہی تھی۔مسکارا لگی مسکراتی آنکھیں ندرت کے الجھے الجھے چہرے پہ جمی تھیں۔

''زمر جیسی لڑکی؟''

''سامنے کی بات ہے ندرت۔لوگوں نے زمر کی بات زمر کی کریڈیبلٹی کی وجہ سے مانی۔آپ کوئی اتنی ہی آن بان اور حیثیت والی لڑکی ڈھونڈیں' لوگوں کو فارس کی بے گناہی کا یقین آ جائے گا۔وہ کہیں گے کہ اگر فارس برا تھا تو یہ رشتہ اس کو کیوں ملتا؟ ایسا نہ کیا تو کل رات فنکشن کی طرح آپ کئی سال لوگوں کو صرف جواب ہی دیتی رہیں گی۔''

ندرت کے چہرے پہ اداسی بکھری۔کل بھی کتنے لوگوں نے سوال کیا تھا۔فارس کیا کبھی دوبارہ خاندان میں سر اٹھا کر جی سکے گا؟ ٹھوڑی جھکا کر وہ دل گرفتگی سے بولیں۔

''پتہ نہیں لوگوں کو کب یقین آئے گا کہ فارس بے گناہ تھا۔''

''اسی لئے تو کہہ رہی ہوں' اس کی شادی اور اس کی عزت' دونوں کا سوچیں۔'' نرمی سے انگوٹھیوں والا ہاتھ ندرت کے فربہی' کملائے ہوئے ہاتھ پہ رکھا، ندرت نے آنکھیں اٹھا کر تشکر سے اس کو دیکھا۔

''میں بالکل ایسا ہی کروں گی۔موقع دیکھ کر فارس سے بات کرتی ہوں۔''

''اب آپ کو ہی کچھ کر کے اس کو خاندان والوں کی نظر میں دوبارہ سرخرو کرنا ہے' کیونکہ اب زمر تو ایک ایک سے نہیں کہے گی نا کہ اس کو فارس کی بے گناہی کا یقین آ گیا ہے۔'' سرسری سا کہتے ہوئے وہ موبائل نکال کر مسڈ کالز چیک کرنے لگی۔ندرت نے بے حد چونک کر اسے دیکھا۔

''زمر نے...؟ ایسا کب کہا؟''

''ایسا کیا مطلب؟'' جواہرات نے الٹا حیرت سے ان کو دیکھا۔''جج نے اس کو بری کر دیا' زمر قانون سے واقف ہے' وہ بھی کنوینس ہو گئی ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔میرے پوچھنے پہ اس نے خود اعتراف کیا تھا۔اب فارس پہ شک کرنے کی وجہ کیا رہ جاتی ہے۔''

ندرت نے آدھی بات سمجھتے ہوئے باقی آدھی پہ الجھتے سر ہلا دیا۔ان کا خیال تھا زمر ابھی تک اپنے بیان پہ قائم ہے مگر شاید وہ بدل رہی تھی۔جواہرات نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

''ارے' آپ بیٹھیں نا' جنید اسنیکس لا ہی رہا تھا۔'' وہ جلدی سے مڑ کر جنید کو پکارنے لگیں' مگر جواہرات نے انہیں روک دیا۔

''میں ڈائٹ پہ ہوں اور ریسٹورانٹس کے کھانے میں ویسے بھی نہیں کھاتی۔تکلف نہ کریں۔''

ندرت کا جوش ماند پڑ گیا خاموشی سے سر ہلا دیا۔

''اس بات کو میرے اور آپ کے درمیان رہنا چاہیے۔ اگر فارس کو علم ہوا تو وہ میری ضد میں مانتے مانتے بھی انکار نہ کر دے۔''

''جی' بالکل!'' ندرت سمجھ گئی تھیں اور اب وہ اسے کارتک چھوڑنے باہر جا رہی تھیں۔ ذہن میں بہت سے سوالیہ نشان ابھرا ابھر کر آ رہے تھے۔

زمر جیسی لڑکی؟ زمر جیسی....؟

❖❖❖

پتے کی بات بھی منہ سے نکل ہی جاتی ہے ..... کبھی بھی کوئی جھوٹی خبر سُناتے ہوئے

دوپہر اب سہ پہر میں بدل رہی تھی۔ چھوٹے باغیچے والے گھر میں کھانا سیر ہو کر کھا چکنے کے بعد کی غنودہ فضا چھائی تھی۔ حنین لاؤنج میں ڈائجسٹ لے کر' صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھ گئی تھی' اور سیم گول میز سے برتن اٹھاتے ہوئے خفگی سے کہہ رہا تھا۔

''کبھی کوئی کام بھی کر لیا کرو' کٹو۔'' مگر وہاں سن کون رہا تھا؟ فارس ہاتھ دھو کر ادھر آیا تو حنہ ہنوز رسالہ پڑھنے میں مگن تھی۔

''دروازہ لاک کر لو' میں جا رہا ہوں۔ امی کو بتا دینا' پھر آؤں گا۔''

حنہ نے رسالہ رکھتے ہوئے اسے دیکھا۔ پورے آستین کی شرٹ اور جینز میں ملبوس فارس' آنکھوں میں کافی اکتاہٹ لئے' بات کرنے کے ساتھ کال بھی ملا رہا تھا۔

''بھائی کہاں ہے' ماموں؟''

''اپنے کمرے میں۔'' وہ راہداری میں آگے بڑھتے ہوئے موبائل کان سے لگا رہا تھا۔ جس وقت وہ باہر نکلا' اور حنین دروازہ بند کرنے لگی' فارس کے الفاظ سماعت میں پڑے۔

''یار اسٹپنی' کدھر ہو؟ اچھا سنو' ایک بندے کو چیک کر کے....'' دروازہ بند ہوا' تو آواز کا راستہ رک گیا۔ وہ لاک کر کے واپس آئی' اور بھائی کے کمرے کے پاس رکی۔ ذرا ہچکچا کر بند دروازے کو دیکھا۔ پھر دستک دی۔

وہ جو کمپیوٹر چیئر پہ بیٹھا موبائل پہ نمبر ملا رہا تھا' چونک کر سر اٹھایا' اور پھر موبائل رکھتے ہوئے مسکرایا۔

''آؤ حنہ' میں تمہارے پاس ہی آنے لگا تھا۔''

''مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا بھائی۔'' انگلیاں مروڑتی حنین نے خشک ہوتے گلے کے ساتھ الفاظ جمع کرنے چاہے۔ کیسا لگے گا کہنا' میں چیٹنگ کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی۔ اور پھر میں نے ہاشم بھائی کو بلا لیا۔ دونوں فقروں میں سے کس فقرے پہ اس کا اعتبار ٹوٹے گا؟

ظاہر ہے پہلے پہ۔ ہاشم کو کسی اور چیز کے لئے بلایا ہوتا تو خیر تھی' مگر چیٹنگ.... وہ کیسے بتائے؟

''ہاں بولو۔'' وہ متوجہ ہو کر سن رہا تھا۔ حنین نے لب کھولے' پھر ایک دم خیال آیا۔

''آپ میرے پاس کیوں آنے لگے تھے؟''

''وہ... مجھے ایک کام تھا۔'' کہتے ہوئے اس نے لیپ ٹاپ کے ساتھ رکھی فلیش ڈرائیو اٹھائی' لبوں پہ زبان پھیری' اور ہمت مجتمع کرتے ہوئے چہرہ اٹھایا' پھیکا سا مسکرایا۔

''یہ کچھ ڈاکومنٹس میں Decrypt کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر...'' احتیاط سے تول تول کر الفاظ ادا کیے۔ ''۔۔ یہ میری قابلیت سے اوپر کی چیز تھی۔ میں اس کو ٹھیک سے آپریٹ نہیں کر پایا' اور فائل کرپٹ ہو گئی ہے۔ کیا تم کسی طرح اسے ری کور کرنے میں میری مدد کر سکتی ہو؟''

حنین بنا پلک جھپکے چند ثانیے فلیش کو دیکھتی رہی' پھر نظریں اٹھائیں۔ آنکھوں میں صدمہ اور خفگی در آئی تھی۔

''حنہ' پلیز' صرف تھوڑی سی ہیلپ کردو۔''

حنین کی گردن نفی میں ہلی' وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔ شکوہ کناں آنکھیں بدستور سعدی پہ جمی تھیں۔

''کسی کے ڈاکومنٹس کو آپ کھولنے کی کوشش کر رہے ہیں' اس کا تعلق آپ کے آفس سے ہے یا نہیں' مجھے نہیں پتہ' مگر یہ غلط ہے۔ غیر قانونی ہے۔ اور میں ایسے کام نہیں کرتی۔''

سعدی نے گہری سانس خارج کر کے آنکھیں بند کیں۔ پھر کھولیں تو وہ چوکھٹ تک پیچھے ہٹ چکی تھی۔

''ہمارا مسیحا صرف ایک شخص ہوتا ہے' اور وہ ہم خود ہوتے ہیں۔ تم کبھی بھی اس فیز سے نہیں نکلو گی اگر تم اپنی خود مدد نہیں کرو گی۔''

''میں کسی فیز میں نہیں ہوں' میں ٹھیک ہوں' پہلے جیسی۔''

سعدی نے نفی میں سر ہلایا۔ فلیش رکھی۔ اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ ابھی تک ابرو بھینچے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم بدل گئی ہو۔ ایک وقت تھا تم ہمارے خاندان کا سب سے پر اعتماد اور بولڈ بچہ تھیں۔ اب تو تم نے خود کو بالکل عام لڑکیوں جیسا بنا لیا ہے۔''

حنین کے چہرے پہ تاریک سایہ لہرایا' مگر وہ گردن کڑا کر بولی۔

''میں نہیں بدلی۔ اور میں اس سب میں آپ کی مدد نہیں کروں گی۔ یہ غیر قانونی ہے۔''

(ہاں' سارے قانون دان میرے ہی خاندان میں پیدا ہونے تھے) وہ سوچ کر رہ گیا' کیونکہ حنہ اب مڑ کر جا رہی تھی۔ اس کے کان سرخ تھے' اور آنکھوں میں شدید بے بسی بھرا غصہ تھا۔ بھائی جانتا تھا وہ اب کمپیوٹر استعمال نہیں کرتی' اس نے ڈیڑھ سال پہلے لاؤنج کی کمپیوٹر چیئر بھائی کے کمرے میں شفٹ کر دی تھی۔ کمپیوٹر اچھے نہیں ہوتے' اور اس کے لئے تو بالکل بھی نہیں' سو وہ کس طرح ایسی بات کہہ سکتا تھا؟

''پتہ ہے آج مجھے زمر نے کیا کہا؟''

وہ جاتے جاتے رکی۔

''یہ کہ انہیں ماموں کی بے گناہی کا یقین آ گیا ہے۔ وہ اپنے تمام الزامات واپس لیتی ہیں۔'' وہ کہتے ہوئے خود بھی الجھا تھا۔ کچھ کھٹک رہا تھا۔

حنین جھٹکے سے واپس پلٹی۔

''یہ پھپھو نے کہا؟''

سعدی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ حنین کے لب بھنچ گئے۔ آنکھوں میں ناگواری در آئی۔

''تو آپ نے آگے سے کیا کہا؟''

''میں کیا کہتا؟''

''کم از کم اتنا تو پوچھ سکتے تھے کہ وہ جھوٹ کیوں بول رہی ہیں؟

''جھوٹ؟'' سعدی کو دھچکا لگا۔

''وہ جھوٹ بول رہی ہیں' وہ اتنی جلدی اور اتنے آرام سے اپنا ذہن نہیں بدلتیں' میں ان کو جانتی ہوں۔''

''زمر جھوٹ نہیں بولتیں۔''

''او کے مگر وہ وکیل ہیں' انہوں نے الفاظ کا محتاط چناؤ کیا ہوگا یقیناً وہ اداکاری کر رہی ہیں۔''

''تم اتنی جلدی ان کے بارے میں اتنی منفی کیوں ہو جاتی ہو حنہ؟ کیا پتہ ان کو واقعی....'' اسے دکھ ہوا تھا۔

''میں ان کو جانتی ہوں۔ وہ بغیر کسی وجہ کے اتنی بڑی بات نہیں کہہ سکتیں۔ پتہ نہیں وہ کیا سوچ رہی ہیں۔'' وہ ناگواری اور غصے سے لہتی باہر نکل گئی۔ سعدی نے افسوس سے سر جھٹکا۔ وہ دونوں اس کو جتنی پیاری تھیں' اتنی ہی وہ ایک دوسرے سے دور تھیں۔ وہ بے دلی سے واپس کرسی پہ ڈھے سا گیا۔ دو انگلیوں میں فلیش اٹھا کر دیکھی۔ آج آٹھواں دن تھا نا کامی کا۔ اب وہ کیا کرے؟ کیسے ثبوت لے کر فارس اور زمر کے پاس جائے؟ اس کے پاس انتقام اور انصاف کا ایک منصوبہ تھا مگر اس کو فارس اور زمر کی مدد چاہیے تھی۔ اکیلی چیونٹی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

باہر حنین بڑبڑاتی ہوئی واپس صوفے پہ دھپ آ بیٹھی۔

''ایسے بیٹھتی ہو؟' لگتا ہے زلزلہ آ رہا ہے۔'' قریب بیٹھے سیم نے رسالے سے سر نکال کر ناگواری سے تبصرہ کیا۔ مگر اس نے سنے بغیر (ہونہہ) سر جھٹکا۔ پھر ذہن کی رو بھٹک گئی۔ غصہ اداسی میں بدل گیا۔

''سیم۔ ایک بات بتاؤ۔'' اس نے کھوئے کھوئے لہجے سے پکارا۔ ''کیا میں واقعی بدل گئی ہوں؟''

''کب سے؟'' وہ حیران ہوا۔

(ڈیڑھ سال پہلے سے۔) اس نے سوچا مگر سیم کو کیا بتائے؟

''جب سے میں نے بی اے میں ایڈمیشن لیا ہے۔''

''آ....'' وہ سوچنے لگا۔ ''نہیں تو... اب بھی تم اتنا ہی کھاتی ہو' ویسے ہی مذاق کرتی ہو' میرے ساتھ اسی طرح لڑتی ہو' اور جب میرے دوست مجھے کچھ کہیں تو ان سے لڑنے بھی اسی طرح پہنچ جاتی ہو۔ تم تو ویسی ہی ہو۔''

''اچھا۔'' وہ ہلکا سا ہنس دی۔ سیم پہ تھوڑا سا پیار آیا' مگر ظاہر کیے بنا اس نے کشن اٹھا کر گود میں رکھا' اور ادھر ادھر ہاتھ مارا۔ رسالہ غائب۔ وہ حیرت اور پریشانی سے اٹھ کر ڈھونڈنے لگی۔ پھر چونک کر سیم کو دیکھا۔

''تم ڈائجسٹ پڑھ رہے ہو؟ کس نے اجازت دی تمہیں' ہاں؟'' لپک کر صوفے تلے سے جوتا اٹھایا۔ ''آنے دو آج امی کو' میں نے تمہارا حشر نہ کروایا تو دیکھنا۔'' اس سے پہلے کہ وہ غصے سے اس پہ جھپٹتی' سیم چھلانگ مار کر چوکھٹ تک گیا اور پھر آگے غائب۔ حنین طیش سے لال سرخ ہوتی' جوتا لئے اس کے پیچھے بھاگی۔

''یہ موٹا آلو آج بچے گا نہیں۔''

.....❖❖❖.....

لگا ہو دل تو خیالات کب بدلتے ہیں ..... یہ انقلاب تو ایک بے دلی میں ملتے ہیں

شام ایک ٹھنڈی سی چھایا کے ساتھ قصرِ کاردار پہ اتر رہی تھی۔ لاؤنج کی دیوار گیر فرانسیسی کھڑکیوں سے باہر کا سبزہ زار جھلک رہا تھا۔ کونے میں دو کرسیاں ساتھ ساتھ رکھی تھیں' دونوں کے بازوؤں کے درمیان گلدستے والی چھوٹی میز تھی۔ ایک کرسی پہ جواہرات تھی۔ بال جوڑے میں' کہنی کرسی کے ہتھ پہ' اور چہرے پہ مسکراہٹ لیے وہ اپنی مہمان کو دیکھ رہی تھی۔

وہ مہمانوں کو سامنے بٹھانے کے بجائے برابر کرسی پہ بٹھایا کرتی' اسے گردن بائیں طرف موڑ کر مہمان کو دیکھنا زیادہ پسند تھا۔ گئے برسوں میں اس کرسی پہ سعدی اکثر آ کر بیٹھتا تھا۔ اب کبھی کبھی ادھر زمر ہوتی' آج بھی وہی تھی۔

کپ کے منہ پہ انگلی پھیرتی' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' سنجیدگی سے بیٹھی تھی۔ بنا مسکراہٹ کے بھوری آنکھیں اور کیچر میں ہاف بندھے گھنگریالے بال جو سمیٹ کر ایک طرف کر دیے تھے دوپٹہ گردن میں لپیٹ کر دونوں پلو سامنے کر رکھے تھے۔

''کیا تم پچھتا رہی ہو؟'' جواہرات اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

''ہرگز نہیں بلکہ میں ذہنی طور پہ تیار ہوں۔''

''یہ اذیت ناک ہوگا۔جس سے نفرت کی جائے اس سے شادی!'' جواہرات نے جھرجھری لے کر انگلی سے گال تک آئے بال ہٹائے۔زمر نے کپ اٹھا کر گھونٹ بھرا۔

''میں بہت اذیت سے گزری ہوں۔اور سب سے زیادہ تکلیف دہ بے اعتباری تھی۔'' کپ نیچے کر کے وہ کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔یہاں سبزہ زار دکھائی دیتا۔انیکسی عقبی طرف تھی۔ادھر سے دکھائی نہ دیتی۔

''اس وقت کسی نے بھی میرا اعتبار نہیں کیا۔مگر اب کریں گے۔''

''تم اپنے رشتے داروں کے دباؤ کی وجہ سے اس کا کیس لینے سے انکار نہ کرتی تو آج وہ جیل میں ہوتا۔''

''بات رشتے داروں کی نہیں ہے۔میں ایک پبلک پراسیکیوشن میں ذاتی عناد کو نہیں لا سکتی تھی۔یہ ذاتی جنگ نہیں تھی۔'' وہ کھڑکی سے نظریں ہٹا کر جواہرات کو دیکھتے ہوئے تلخی سے بولی۔''وہ ایک وائف کلر تھا' سیریل کلر۔اس نے مجھے استعمال کیا' پہلی دفعہ تب جب مجھ پہ گولی چلائی' دوسری دفعہ ڈیڑھ سال پہلے جب اس نے میرے کندھے پہ پیر رکھ کر رہائی حاصل کرنا چاہی۔یہ قانونی جنگ تھی۔صرف ایک تسلی تھی مجھے کہ فارس کامیں نے کچھ نہیں بگاڑا تھا' میں بے گناہ تھی' مگر نہیں۔'' آخری تلخ گھونٹ اندر اتار کر اس نے کپ پرچ میں رکھا۔

''وہ مجھ سے انتقام لے رہا تھا۔یہ آغاز سے ہی ذاتی جنگ تھی۔شروع اس نے کی،ختم میں کروں گی۔'' اس نے آگے ہو کر پیالی واپس ٹرالی میں رکھ دی۔

''مگر تم کرو گی کیا؟ شادی کر کے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟''

''نہیں مسز کاردار۔'' زمر نے گہری سانس خارج کی اور نفی میں سر ہلایا۔''میں اور آپ محرم راز نہیں ہیں۔میں نے مدد مانگی تھی' لائحہ عمل بتانے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔'' جواہرات نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

''تم یہ کہہ رہی ہو کہ تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟۔''

''مدد کی حد تک؟ جی ہے۔مگر اپنے پلانز میں خود تک ہی محدود رکھتی ہوں۔'' وہ سرد سا مسکرائی۔جواہرات نے اثبات میں گردن کو جنبش دی۔

''تمہاری مرضی۔بہرحال' میں اپنا وعدہ پورا کروں گی۔تم نے اس سے شادی کرنی ہے' میں کروا دوں گی۔اور کل میں تمہارے والد سے ملنے آؤں گی۔''

''شیور!'' اس نے کندھے اچکا دیے۔

''کیا تم جاننا چاہتی ہو کہ میں یہ کیسے کروں گی؟''

''نہیں۔میں قدرتی طریقے سے حیران ہونا پسند کروں گی۔'' وہ رکی۔''آپ کو اس سے کیا ملے گا؟''

''کس سے؟''

''ہم دونوں جانتے ہیں کہ آپ میری مدد اپنے فائدے کے لیے کر رہی ہیں،اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کبھی میرا ساتھ نہ دیتیں۔''

جواہرات ہلکا سا ہنس دی۔''فارس کے قانونی شیئرز ہیں ہماری جائیداد میں۔جب تک وہ دوسری چیزوں میں الجھا رہے،میرا کاروبار محفوظ رہے گا۔مگر تم یہ جانتی ہو کہ میں تمہیں استعمال کر رہی ہوں،تو میرا ساتھ کیوں دے رہی ہو!''

''تاکہ آپ کو واپس استعمال کر سکوں!'' وہ مسکرا کر اٹھی،پرس کی اسٹریپ کندھے پہ لٹکائی۔''آخری بات جو مجھے کہنی تھی۔میں تیار ہوں۔''

''میں بھی!'' ایئرنگ پہ انگلی پھیرتے ہوئے جواہرات مسکرائی۔

اس کے جانے کے بعد اسی کرسی پہ بیٹھے' جواہرات نے موبائل پہ نمبر ڈائل کیا۔ یوسف خان صاحب۔

''السلام وعلیکم۔'' وہ کافی دیر بعد فون اٹھا پائے۔

''وعلیکم السلام یوسف صاحب۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔''

''اللہ کا شکر ہے۔'' وہ چند رسمی فقروں کے بعد کہنے لگی۔

''آپ نے دو ڈھائی ماہ قبل مجھے کال کر کے کہا تھا کہ میں زمر کو سمجھاؤں تا کہ وہ شادی کر لے۔''

''جی۔ میں یہ ہر اس شخص سے کہتا ہوں جو زمر کے قریب ہو۔'' وہ سنجیدہ اور قدرے خشک تھے۔ جواہرات کا ٹاپس کو مسلتا ہاتھ رکا' ارادیر کو اس نے سوچا۔

''اگر آپ میرے گارڈ کی اس نیکلس کے لئے تلاشی والی بات پہ ہم سے خفا ہیں تو میں معذرت کرتی ہوں۔ وہ سب ایک غلط فہمی تھی۔''

''نہیں' کوئی بات نہیں۔''

''او کے۔ تو میں یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ کل رات فنکشن میں میری زمر سے بات ہوئی تھی۔ میں نے اسے بہت سمجھایا ہے۔ امید ہے وہ جلد مان جائے گی۔''

بڑے ابا چونکے۔ ''تو آپ نے بات کی تھی زمر سے؟''

''جی۔ میں نے آپ سے وعدہ کر رکھا تھا۔ بس موقع کل رات ملا۔''

''اچھا۔'' ان کے لہجے کی سرد مہری زائل ہونے لگی۔ ''زمر نے مجھ سے صبح بات کی تھی' وہ شادی کے لئے رضامند ہے۔''

''گڈ۔ مگر مجھے حیرت نہیں ہے۔ میں ناکام نہیں ہوا کرتی۔''

''آپ کا.... شکریہ مسز کاردار۔''

''مائی پلیژر۔'' مسکراتے ہوئے' بدستور ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتے' وہ کھڑکی کے پار دیکھ رہی تھی۔ ''کوئی رشتہ ڈھونڈا آپ نے؟''

''نہیں' ابھی تو ندرت سے بات کی ہے۔ وہ شاید کوئی بتائے۔''

''او کے، میں نے بھی چند ایک لوگوں سے کہہ رکھا تھا۔ دو رشتے ہیں جو دلچسپی رکھتے ہیں۔ آپ تفصیلات جاننا چاہیں گے؟''

''جی' بتائیے۔'' بڑے ابا بمشکل اپنی آواز کی ضعیف خوشی چھپا رہے تھے۔

''ایک سیشن کورٹ کے جج صاحب کا رشتہ ہے۔ بیوی سے علیحدگی ہو چکی ہے' اور تینوں بچے بورڈنگ میں پڑھتے ہیں۔'' ذرا دیر کو وقفہ دیا۔ بڑے ابا کی لائن خاموش تھی۔ ''دوسرا رشتہ میری کمپنی کے ایک عہدیدار کا ہے۔ پہلی شادی کم عمری میں ہوئی تھی' وہ بیوی اور اس سے ہوئے دونوں بیٹے گاؤں میں رہتے ہیں۔ وہ صاحب خود اسی شہر میں ہیں' اکیلا اچھا گھر ہے' عمر ذرا زیادہ ہے' پچاس سے اوپر۔ آپ سن رہے ہیں؟''

''جی ہاں۔'' ان کی آواز بدقت نکلی تھی اور اس میں بھی تکلیف تھی۔

''یوسف صاحب' حقیقت پسندی سے کام لیجئے۔ آپ کی بیٹی تیس بتیس سال کی ہے' اس کے گردے ضائع ہو چکے ہیں' بیمار ہے' ایسے میں کسی نوجوان خوبصورت لڑکے کا رشتہ ملنا تو معجزہ ہوگا اور معجزے کم ہی ہوا کرتے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں مگر....'' وہ خود ہی رک گئے۔ کیا کہیں اب؟

''ہاں، ایک شخص اور بھی ہے' ہاشم کی عمر کا ہے' ہینڈسم بھی ہے' پہلی بیوی مر چکی ہے' مگر....''

''مگر کیا؟'' بڑے ابا تیزی سے بولے۔ امید کی کرن چمکی تھی۔

''مگر آپ کی کیا گارنٹی' آپ اس سے شاید رشتہ نہ ہی کریں۔'' اس نے ذرا سا وقفہ دیا۔ بڑے ابا بے چینی سے منتظر تھے۔

''میں فارس کی بات کر رہی ہوں۔''

اور بڑے ابا کو اتوار کے اس گرم دن میں لگنے والا یہ دوسرا جھٹکا تھا۔

''فا....رس؟'' وہ اٹکے۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ندرت آج کل فارس کے لئے لڑکی ڈھونڈ رہی ہیں۔ تو آپ اس سے زمر کی بات کیوں نہیں کر لیتے؟ اس سے اچھا آپشن آپ کو نہیں ملنے والا۔''

''مگر....فارس کے لئے زمر....''

''کیا زمر؟ اسے عدالت نے بری کیا ہے' اور اب زمر اس کو موردالزام ٹھہرانا چھوڑ چکی ہے۔ پرانی باتوں کو بھول جائیے۔'' اس نے خفگی سے ٹوکا۔

''مسز کاردار آپ سمجھ نہیں رہیں۔ فارس کا....وہ ابھی ابھی رہا ہو کر آیا ہے' وہ خود مسئلوں میں گھرا ہے' ایسے میں....''

''آپ نے پہلے بھی اس کے رشتے سے انکار کر دیا تھا' تب کیا وجہ تھی؟''

وہ چپ سے ہو گئے۔

''آپ شاید اس کو ہمیشہ سے اپنی بیٹی سے کم تر سمجھتے رہے ہیں۔''

''ایسی بات نہیں ہے' مجھے وہ بہت پسند ہے۔ مگر وہ خود نہیں مانے گا' زمر بھی نہیں مانے گی۔''

''آپ مان جائیں تو وہ بھی مان جائیں گے۔''

''زمر کبھی بھی نہیں مانے گی' وہ تو اس کا ہمارے گھر آنا تک برداشت نہیں کر سکتی۔''

''وہ تو شادی کے لئے بھی نہیں مانتی تھی۔ میں نے منا لیا نا۔ بہر حال' میں فارس کے ساتھ دو چار روز میں آپ کی طرف چکر لگاؤں گی۔ آپ تینوں رشتوں کے بارے میں سوچ لیں۔ تین بچوں کا باپ جج' پچپن سالہ کمپنی عہدیدار' یا فارس۔ اور اگر تینوں نہیں قبول تو اس دفعہ اپنی بیٹی کے مجرم آپ ہوں گے۔ ٹیک کیئر۔''

مسکراتے ہوئے فون رکھ دیا اور بہت طمانیت سے کھڑکی کے باہر سبزہ زار کو دیکھنے لگی' جہاں فیونا اپنی نگرانی میں ملازموں سے گملے رکھوا رہی تھی۔

جو اہرات کو موسم زیادہ خوشگوار لگنے لگا تھا۔

سب ٹھیک جا رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

خدایا تیرے دم سے اپنا گھر اب تک سلامت ہے ..... وگرنہ دوست اور دشمن ہمارے ایک جیسے ہیں

رات کھانے کے بعد وہ چھوٹے باغیچے والے گھر سے باہر نکل آیا۔ سڑک کنارے چلتے' کانوں میں سفید ہینڈز فری لگا کر وہ موبائل کو ہاتھوں میں پکڑے نمبر ملا رہا تھا۔

''سعدی....تمہاری ہاشم سے بات ہوئی؟'' شہرین نے کال اٹھاتے ساتھ پوچھا۔ ائیر فونز میں گونجتی اس کی آواز میں شدید اضطراب تھا۔

''کیوں نا پہلے آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کی ہاشم بھائی سے کیا بات ہوئی؟'' وہ سختی اور درشتی سے کہتا قدم قدم چلتا جا رہا تھا۔

''میری بات؟ کیا مطلب؟''

''آپ نے ان کو بتا دیا کہ میں نے ان سے وہ چرایا ہے' جو انہوں نے ہم سے چرایا تھا۔''

''میں نے.... ایسے نہیں....'' وہ اٹکی۔ ''وہ مجھ پہ چلا رہا تھا' مجھے دھمکی دے رہا تھا' مجھے معلوم بھی نہیں کہ میں کیا کہتی گئی.... بلکہ میں نے تو یہ کہا بھی نہیں کہ تم نے۔۔۔''

''مگر آپ نے میری بات تو دہرا دی نا ان کے سامنے۔'' طیش سے اس کی آواز بلند تھی۔

''اس سے کیا ہوتا ہے؟''

''اس سے یہ ہوتا ہے کہ میں نے پہلی دفعہ آپ پہ اعتبار کر کے غلطی کی۔ بلکہ نہیں' اعتبار تو اس دفعہ بھی نہیں کیا تھا' بس کام کہہ کر غلطی کی۔ اور اس سے یہ بھی ہوتا ہے کہ شہرین بیگم' آج سے آپ اکیلی ہیں۔ مجھے رتی برابر بھی پرواہ نہیں ہے کہ سونیا آپ کے ساتھ جائے یا نہیں۔ اس لئے آپ اپنی تمام جنگیں اکیلے لڑیں گی۔''

''تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ تم نے مجھے اس کام میں پھنسایا اور....''

''میں آپ کے اس سے بڑے کام کر چکا ہوں' اور یہ کام میں نے آپ کو اس لئے دیا کہ آپ بھی ہاشم بھائی سے انتقام لینا چاہتی تھیں' کم از کم کہتی تو یہی رہی ہیں آپ۔ لیکن آج سے ہم ایک ٹیم نہیں ہیں۔ اللہ حافظ۔'' زور سے سرخ بٹن دبا کر کال کاٹی۔

آنکھوں میں شدید خفگی اور غصہ لئے وہ واپس گھر کی طرف مڑ گیا۔

شہرین کی تین چار کالز آئیں' اس نے سب کاٹ دیں۔ پھر تنگ آ کر فون سائیلنٹ پہ لگا دیا۔

واپس اندر آیا تو امی خاموش سی لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ ٹی وی چل رہا تھا۔ حنین پاؤں اوپر کر کے بیٹھی' ہتھیلیوں پہ چہرہ گرائے شوق سے ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ اب وہ صرف وہی ڈرامے دیکھتی تھی جو ٹی وی پہ لگ جاتے۔

امی البتہ کسی گہری سوچ میں تھیں۔

وہ ائیر فونز اتارتے ہوئے ندرت کے ساتھ دھپ سے صوفے پہ گرا۔ وہ پھر بھی نہیں چونکیں۔ سعدی نے پلکیں سکیڑ کر غور سے ان کو دیکھا۔

''ندرت بہن' پریشان لگ رہی ہیں آپ؟'' معصومیت سے پوچھا۔ انہوں نے خفگی سے اس کو دیکھا۔

''کچھ نہیں۔''

''کچھ تو ہوا ہے۔ بتائیں' میں حل کرتا ہوں ابھی آپ کا مسئلہ۔'' وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے سیدھا ہو کر بیٹھا۔

''میں سوچ رہی ہوں فارس کی شادی کر دینی چاہیے۔''

حنین اور سعدی' دونوں نے چونک کر ان کو دیکھا۔ وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھیں۔ حنہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''ماموں کی شادی؟ مگر امی' وہ ابھی تو باہر آئے ہیں' ان کو سانس تو لینے دیں۔''

''حنین ٹھیک کہہ رہی ہے' امی۔ وہ پہلے ہی دوسرے چکروں میں ہیں' ان کو ابھی تنگ نہ کریں۔''

''چپ کرو تم دونوں۔ پتہ چلتا نہیں ہے کسی بات کا اور ماں کو مشورے دے رہے ہو۔'' وہ خفگی سے کہہ کر اٹھ گئیں اور میز پہ رکھے برتن اٹھا کر کچن میں لے گئیں۔ جب واپس آئیں تو وہ دونوں بھول بھال کر ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

''بڑے ابا کا فون آیا تھا۔ کہہ رہے تھے' زمر شادی کے لئے مان گئی ہے۔ فنکشن میں جانے اور رشتے داروں سے ملنے کا اس پہ مثبت

اثر ہوا ہے۔'' وہ کشن ٹھیک کر کے رکھتی' سرسری انداز میں بتا رہی تھیں۔ حنین اور سعدی نے ایک دم ایک دوسرے کو دیکھا۔

''اچھی بات ہے نا۔'' ندرت نے فالتو کشن کشن اٹھا کر بیڈ روم کی طرف جاتے پوچھا۔

''جی۔'' حنین بے زاری سے کہہ کر واپس ٹی وی دیکھنے لگی۔

''جی۔'' سعدی البتہ دھیما سا بولا۔ چاہنے کے باوجود وہ خوش نہیں ہو سکا۔ کہیں کچھ غلط تھا۔

.....❖❖❖.....

میں دوستوں کے اک اک امتحان سے گزرا ہوں ..... بکھر گیا ہوں ' کئی راستے بناتا ہوا

'قصر کا ردار پہ اگلی صبح پہلے سے بھی گرم طلوع ہوئی تھی۔ ہاشم برآمدے کے اسٹیپ اترتا' نیچے کھڑی کار کی طرف جا رہا تھا۔ شوفر کے سلام کا سپاٹ چہرے اور سر کے خم سے جواب دیتا وہ اندر بیٹھا تو شوفر نے دروازہ بند کر دیا۔ جواہرات نے ستون کے ساتھ کھڑے یہ منظر دیکھا' یہاں تک کہ اس کی کار روش پہ چلتی گیٹ پار کر گئی۔

''میم' کار تیار ہے۔'' فیونا نے سامنے کھڑی کار کے بارے میں یاد دہانی کراتے ہوئے اسے پکارا' جو گردن میں موتیوں کی لڑی پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ بال جوڑے میں باندھے اور لمبی قمیص پہ سفید فٹڈ منی کوٹ پہنے' وہ سوچ میں گم کھڑی تھی۔ پھر یکا یک زینے اترنے لگی۔ فیونا پیچھے آئی تو جواہرات رکی' گھور کر اسے دیکھا' فیونا کے قدم منجمد ہو گئے' فوراً سر جھکا کر پیچھے ہو گئی۔

جواہرات زینے اتری۔ سبزہ زار عبور کیا۔ گھوم کر گھر کے عقب میں آئی۔ سبز پہاڑی یہاں نشیب میں ڈھل جاتی۔ وہ قدم قدم اترتی نیچے انیکسی تک آئی۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔

چند ہی لمحوں میں وہ کھلا تو فارس نظر آیا۔ وہ ٹراؤزر اور پوری آستین کی ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ کافی پہلے کا اٹھا ہوا لگتا تھا۔ اسے دیکھ کر آنکھیں سکیڑیں' اچنبھے سے' پھر پیچھے ہوا۔ ''آیئے۔''

''صبح بخیر۔'' وہ مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ باریک ہیل سے چلتی' راہداری عبور کر کے لونگ روم میں آ گئی جس کے ساتھ اوپن کچن تھا۔ گھوم کر اطراف کا جائزہ لیا۔

''گھر کو کافی رینوویشن کی ضرورت ہے۔ اور صفائی کی بھی۔ تم اجازت دو تو میں فیونا کو بھیج دیا کروں؟'' کچن کاؤنٹر کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے اس نے فارس کو مخاطب کیا۔

''ضرورت نہیں!'' وہ آگے آیا، چائے تلے آنچ بند کی' اور اوپر کیبنٹ سے شیشے کا گلاس نکالا۔ زرتاشہ کے جہیز کے برتن جن میں سے اکثر ڈبہ پیک تھے۔

گلاس نل سے دھویا اور الٹا کر اسٹینڈ پہ رکھا۔ پھر فریج تک آیا۔ جواہرات سینے پہ بازو لپیٹے' ایک ہاتھ بدستور گردن کے موتیوں پہ پھیرتی مسکرا کر اسے دیکھتی رہی۔

''ایک کام تھا تم سے۔ دوپہر کو مجھے زمر کے گھر لے جاؤ گے؟''

فریج سے جوس کا ڈبہ نکالتا فارس لمحے بھر کو رکا' پھر دروازہ بند کرتا کاؤنٹر تک آیا۔ چہرہ ویسے ہی سپاٹ رہا۔ ''کیوں؟ ڈرائیور کہاں گیا آپ کا؟''

''تمہیں میرا ڈرائیور بننے پہ اعتراض ہے کیا؟''

''نہیں۔ مجھے کام سے جانا ہے دوپہر میں۔'' وہ شیشے کے گلاس میں جوس کا ڈبہ انڈیل رہا تھا۔ نارنجی رس سے گلاس بھرتا گیا۔

''کدھر جانا ہے؟''

''ایک دوست سے ملنے۔''

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے جاتے ہوئے مجھے ڈراپ کر دینا اور واپسی پہ پک کر لینا۔'' فارس نے گلاس اسے پیش کیا تو اس نے لیتے ہوئے شانے اچکا کر گویا بات ختم کر دی۔

''بہت اچھا۔'' وہ مڑ کر چولہے تک آیا اور مگ میں اپنی چائے انڈیلنے لگا۔

''میں نے یوسف صاحب کو بتایا تھا کہ تم میرے ساتھ آؤ گے۔ وہ چاہتے ہیں تم اور میں کھانا ان کے ساتھ کھائیں۔ کافی خوش ہوئے تمہارا سن کر۔''

فارس نے چونک کر اسے دیکھا اور کیتلی واپس چولہے پہ رکھی۔ ''آپ یوسف صاحب سے ملنے جا رہی ہیں؟''

''ہوں۔'' جوس کا گھونٹ بھر کر مسکرائی۔ ''زمر کے رشتے کے لئے انہوں نے مجھے کہہ رکھا تھا دو پروپوزل ہیں' وہی بتانے ہیں ان کو۔''

وہ مقابل کاؤنٹر سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا' نظریں چائے پہ جھکاتے ایک گھونٹ بھرا۔ بولا کچھ نہیں۔ انداز البتہ سست تھا۔ جواہرات ان کی آنکھوں پہ نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔

''ایک جج کا ہے' عمر پچاس سال سے اوپر پہلی بیوی کو طلاق دے چکا ہے' تین بچے بھی ہیں۔ دوسرا میری کمپنی میں ملازم ہے۔ عمر اس کی بھی اتنی ہی ہے' مگر پہلی بیوی اور بچے گاؤں میں رہتے ہیں۔''

کہہ کر اس نے اپنے حلق میں شیریں گھونٹ انڈیلا اور فارس نے کڑوا گھونٹ۔ دونوں نے اپنے اپنے جام نیچے کیے تو انیکسی میں خاموشی چھا گئی۔

''تمہیں تو معلوم ہے' زمر کے والد بیمار رہتے ہیں' اپنی بیٹی کی بہت فکر ہے ان کو۔ وہ ہے بھی گردہ کی مریض۔ جانے کب تک یہ عطیہ شدہ گردہ چل پائے۔''

فارس نے کچھ نہیں کہا۔ ایک گھونٹ مزید بھرا۔ جواہرات نے قدرے بے چینی سے اس کی آنکھیں دیکھیں۔

''تمہیں شاید میری بات میں دلچسپی نہیں۔ اوہ یہ مت کہنا کہ تم ابھی تک زمر سے پرانا بغض پالے ہوئے ہو۔ اب تو وہ تمہارے خلاف بیان واپس لے چکی ہے' اب تو بھول جاؤ۔''

فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ جواہرات نے مصنوعی حیرت خود پہ طاری کی۔

''اوہ۔ تمہیں نہیں معلوم تھا؟ جج نے تمہیں بری کر دیا تو اس نے بھی تمہارے بارے میں کہی ہر بات واپس لے لی۔ اس کے والد' ندرت' سعدی' سب کے آگے کہی اس نے یہ بات' کہ وہ اب تم پہ کوئی الزام نہیں لگائے گی۔''

''اسی لئے اس نے پچھلے ہفتے مجھے اپنے گھر سے نکالا تھا؟'' وہ سنجیدہ تلخی سے بولا تو جواہرات لمحے بھر کو چپ ہو گئی۔ پھر لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

''یہ انسانی فطرت ہے۔ یقین کے قریب تر ہو کر بھی شک آخری جھٹکا ضرور لگاتا ہے' پوری قوت سے' مگر اس کے بعد امن ہو جاتا ہے۔''

''واٹ ایور!''

چند لمحے مزید خاموشی سے گزر گئے۔ پھر وہ ذرا سا کھنکھاری۔

''تمہارا آگے کا کیا ارادہ ہے؟''

''نہیں میں یہ گھر نہیں چھوڑ رہا، اگر آپ یہ پوچھنے آئیں ہیں تو۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو ہنی؟ میں تمہیں یہاں دیکھ کر سب سے زیادہ خوش ہوں۔ تمہیں یہیں رہنا چاہئے، بلکہ جاب اسٹارٹ کرو کوئی، شادی کرو، زندگی کو سیٹل کرو۔ وہ ایک طوفان تھا، آیا اور گزر گیا۔ اس سب کو بھول جاؤ۔''

''مسز کاردار، طوفان کے گزر جانے سے جڑ سے اکھڑے درخت واپس نہیں لگ جایا کرتے۔''

''تو نئے بیج بوؤ۔ نئے رشتے بناؤ۔ شادی کرلو فارس۔ ورنہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکو گے۔''

''میرے پاس اور بہت کام ہیں۔'' وہ تلخی سے کہتا آخری گھونٹ اندر انڈیلتا مڑ گیا۔

جواہرات نے ذرا جوس بچا کر گلاس کاؤنٹر پہ رکھا' اس کا شانہ تھپکا اور ''دوپہر کو ملتے ہیں'' کہہ کر آگے نکل گئی۔ فارس آنکھوں میں ناپسندیدگی لئے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

.....❖❖❖.....

ہر سمت سپیرے ہیں جمائے ہوئے ڈیرے ..... اس شہر میں سانپوں کے خریدار بہت ہیں

دوپہر طلوع ہوئی تو اتنی سنہری کہ ہر چمکتی شے سونا دِکھنے لگی۔ یوسف صاحب کا گھر بھی دھوپ میں جھلس رہا تھا جب زمر فائلز اور پرس پکڑے اندر داخل ہوئی۔ راہداری سے گزرتے ہوئے وہ ڈرائینگ روم کے جالی دار پردے کے پاس رکی۔ جالی کے پار صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' جواہرات تمکنت سے بیٹھی نظر آرہی تھی۔ انگلی پہ مسلسل لاکٹ کی چین لپیٹتی' وہ مسکرا کر ابّا کو سن رہی تھی جو مقابل وہیل چیئر پہ بیٹھے مدھم آواز میں کچھ کہہ رہے تھے۔ زمر نے سامنے سے آتے صداقت کو چیزیں تھمائیں اور کھنکھارتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ جواہرات نے مسکرا کر گردن اٹھاتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے سلام کر کے سنگل صوفے پہ ٹک گئی۔ عمروں کے فرق کے باوجود دونوں عورتوں میں کچھ بہت مشترک سا تھا۔ شاید تنی ہوئی گردن۔ شاید گہری آنکھیں۔

''تمہارے والد نے مجھے اچھی خبر سنائی ہے۔ تم شادی کے لئے رضامند ہو۔''

زمر نے خاموش نگاہ بڑے ابّا پہ ڈالی۔ وہ مطمئن اور خوش نظر آرہے تھے۔

''اگر کوئی مجھ سے شادی پہ رضامند ہوا تو شیور!''

'اور تم یہ فیصلہ اپنے والد پہ چھوڑ چکی ہو؟''

''بالکل!'' اس نے شانے اچکائے۔

''واقعی زمر؟'' جواہرات نے تیکھی' مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''وہ جس سے چاہیں تمہاری شادی کروا دیں' یہ بات دل سے کہی یا اوپر اوپر سے؟''

''جب کہہ دی ہے تو پورا کروں گی۔'' وہ بے تاثر تھی۔

''اور اگر تمہارے والد فارس کو منتخب کر لیں تمہارے لئے؟ کیا کرلو گی اس سے شادی؟''

بڑے ابّا نے ایک دم پریشان ہو کر جواہرات کو دیکھا' گویا اسے روکنا چاہا' مگر وہ لاکٹ کی چین انگلی پہ لپیٹتی زمر کو مسکرا کر دیکھے جا رہی تھی۔ بڑے ابّا نے مجرمانہ انداز میں گردن موڑی۔ زمر لب بھینچے جواہرات کو دیکھ رہی تھی۔ خلافِ معمول اس نے اس بات پہ کھڑے کھڑے جواہرات کو گھر سے نہیں نکالا تھا۔

''تمہاری خاموشی سے میں کیا سمجھوں؟ یہی کہ تم نے رضامندی کا اظہار محض اوپر سے کیا تھا؟ درحقیقت تم اپنے والد کو یہ حق نہیں دے رہی۔ کیا یہ تمہارے والد کے ساتھ دھوکہ نہیں ہے؟''

''ایسا نہیں ہے۔'' وہ تیزی سے بولی' پھر چپ ہوگئی۔

''میرا اور تمہارے ابا کا خیال ہے کہ فارس تمہارے لئے بہترین انتخاب ہے۔ پلیز وہ پرانی باتیں مت دہرانا۔ تم خود بھی جانتی ہو وہ سچ نہیں تھا۔ اب بتاؤ' اپنی زبان پہ قائم ہو؟''

بڑے ابا بے چارگی سے اسے تک رہے تھے۔ مگر خلاف توقع زمر سپاٹ نظروں سے جواہرات کو دیکھتی رہی۔

''قائم ہوں۔ جانتی ہوں' ابا میرے لئے غلط فیصلہ نہیں کریں گے۔'' ضبط سے الفاظ ادا کئے۔

''تم سوچ لو' یہ تو بس ہمارے یونہی خیال میں آیا تو....'' وہ شرمندہ سے وضاحت کر رہے تھے۔

''سوچ چکی سب۔ جو مرضی آئے کریں۔''

''اور ہاں، فارس ابھی مجھے پک کرنے آئے گا۔ اگر تمہارا دوبارہ اس کو گھر سے نکالنے کا ارادہ ہے تو ابھی بتا دو تاکہ میں اسے منع کر دوں۔''

زمر نے بہت ضبط سے خود کو بھڑکنے سے روکا۔ اور آہستہ سے بولی

''میں نے اس دن غلط کیا تھا، مجھے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آئی ایم سوری ابا۔'' وہ ایک دم اٹھی اور باہر نکل گئی۔ راہداری میں آ کر گہرے گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنا چاہا مگر پرانی باتیں' یادیں سب ابل ابل کر جیسے باہر آ رہا تھا۔ وہ دل پہ ہاتھ رکھے' آنکھیں بند کیے راہداری کی دیوار کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔

اندر جواہرات سہولت سے کہہ رہی تھی۔

''اسے منانا مشکل نہیں تھا۔''

''اسے ماننا نہیں کہتے۔ احتجاج کہتے ہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے افسوس کر رہے تھے۔ جواہرات نے بمشکل ناگواری چہرے سے چھپائی۔

''زمر کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ اپنا اچھا برا سوچ کر ہی جواب دے رہی تھی۔ اسے فارس سے شادی پہ کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

(پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے بول بول کر وہ تھک گئی مگر یہ ابھی وہیں اٹکے تھے۔)

تبھی اس کا موبائل بجا۔ جواہرات نے نہیں اٹھایا' اسی طرح بیٹھی رہی۔

''فارس باہر لینے آیا ہے مجھے۔ آپ یوں کیوں نہیں کرتے کہ باہر دروازے تک چلے جائیں اور اسے اندر لے آئیں؟ میرے کہنے پہ تو وہ کبھی نہیں آئے گا۔''

بڑے ابا نے اثبات میں سر ہلایا' اور وہیل چیئر کے پہیے چلاتے مڑ گئے۔ ساتھ میں صداقت کو آواز بھی دی۔ جب وہ واپس آئے تو فارس ان کے ساتھ تھا۔ (زمر اس دوران اندر جا چکی تھی)۔

وہ آرام دہ نہیں تھا' مگر مجبور تھا۔ خاموشی سے اس سنگل صوفے پہ بیٹھ گیا جہاں سے ابھی زمر اٹھ کر گئی تھی۔

''طبیعت کیسی ہے آپ کی؟'' وہ مدھم آواز میں پوچھ رہا تھا۔ دائیں ٹانگ بائیں گھٹنے پہ رکھے' کہنی صوفے کے ہتھ پہ۔ بس جلدی سے وہ یہاں سے نکل جائے۔

''اچھا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ تم آئے۔ تمہارا بہت شکریہ فارس۔''

وہ دونوں چند رسمی کلمات کا تبادلہ کر رہے تھے۔ جواہرات نے بور سی ہو کر آنکھیں گھمائیں۔ چند ثانیے مزید سرکے۔ صداقت چائے لا کر' سرو کر کے جا چکا تو جواہرات ذرا سا کھنکاری۔ دونوں نے اسے دیکھا۔

''میرا خیال ہے کہ یہ ایک اچھا موقع ہے تم سے بات کرنے کا فارس!''

بڑے ابا بری طرح چونکے۔ فارس بھی دھیان سے سننے لگا۔

''یوسف صاحب کا تم کتنا احترام کرتے ہو' ان کے تم پہ کتنے احسانات ہیں' کتنے برے وقتوں انہوں نے تمہاری مدد کی' ہم سب اس سے واقف ہیں۔''

زمر پھر سے راہداری میں آ کھڑی ہوئی۔ دھڑکتے دل سے وہ دیوار سے لگی سن رہی تھی۔

''جی!'' فارس نے اچنبھے سے جواہرات کو دیکھتے سر ہلایا۔

''ایسے میں یوسف صاحب کا حق ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی طرح سمجھ کر تم سے ایک سوال کر سکیں۔''

بڑے ابا نے بے چینی سے جواہرات کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ باز رہنے' خاموش رہنے کا اشارہ' یہ سب بہت جلدی ہو رہا تھا' مگر وہ ان کو دیکھے بنا' مسکراتے ہوئے فارس سے کہے جا رہی تھی۔

''میں سن رہا ہوں۔ آپ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔''

''میں تو....'' وہ جلدی سے کوئی بات بنانا چاہتے تھے مگر...

''وہ چاہتے ہیں کہ زمر کا جو رشتہ تم نے چند برس قبل مانگا تھا' اس کا جواب وہ آج دیں' کیونکہ اس وقت کا جواب ان سے پوچھے بنا دیا گیا تھا' اگر ان سے پوچھا جاتا تو ان کا جواب مختلف ہوتا۔''

جواہرات کو روکتے روکتے بڑے ابا خاموش ہو گئے۔ باہر کھڑی زمر کے لب حیرت سے کھل گئے۔ یہ سب یوں نہیں ہونا تھا۔

فارس بالکل رک کر انہیں دیکھنے لگا' جیسے سمجھ نہ آ رہا ہو۔

''یوسف صاحب یہ چاہتے ہیں کہ تمہاری اور زمر کی شادی ہو جائے۔''

اس کا سانس واقعتاً تھم گیا۔ بے اختیار ابا کو دیکھا۔ انہوں نے بے چارگی سے چہرہ جھکا لیا۔

''کوئی جلدی نہیں ہے' تم سوچ سمجھ کر جواب دینا۔'' جواہرات نے تیزی سے کہا' مبادا وہ انکار ہی نہ کر دے۔ بڑے ابا نے سر اٹھایا۔

''اور کوئی زبردستی بھی نہیں ہے بیٹا۔ بس ایک خیال تھا کہہ دیا۔ تم ناں کہہ دو تب بھی ہمارے تعلقات ویسے ہی رہیں گے۔''

فارس نے بمشکل سر اثبات میں ہلایا۔ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

''یوسف صاحب بہت پریشان رہتے ہیں زمر کے لیے، ان کو اپنی زندگی کا بھی کوئی بھروسہ نہیں، وہ اپنے سامنے اپنی بیٹی کو کسی ایسے شخص کو سونپ کر جانا چاہتے ہیں جس پہ وہ اعتبار کرتے ہوں، اور تم وہ واحد شخص ہو فارس۔'' جواہرات نرمی سے سمجھا رہی تھی۔

''میں.... مجھے کچھ وقت دیں۔'' بدقت وہ کہہ پایا' پھر ایک سلگتی نظر جواہرات پہ ڈالی۔

''میں باہر انتظار کر رہا ہوں آپ کا۔'' اور اٹھ کھڑا ہوا' جیسے مزید وہاں بیٹھنا دوبھر ہو۔ بڑے ابا نے یاسیت سے اسے جاتے دیکھا۔ وہ ان سے نگاہ ملائے بغیر دھیما سا سلام کہہ کر باہر نکل آیا۔

راہداری میں وہ ٹھٹکا۔ سامنے والی دیوار کے ساتھ زمر کھڑی تھی۔ ساکت' زرد سفید چہرہ لئے' ضبط کی انتہا پہ۔ بس ایک لمحے کو رک کر اس نے زمر کو دیکھا' مگر وہ چہرہ پھیر گئی' وہ بھی نہیں رکا۔ تیز تیز قدموں سے چلتا دہلیز پار کر گیا۔

جواہرات چند ثانیے مزید ابا کو تسلی دیتی رہی' اور جب نکلی تو زمر ہنوز کھڑی تھی۔ اس کا سفید چہرہ اب اہانت سے گلابی پڑتا جا رہا تھا۔

''یہ کیا تھا؟'' وہ دبی دبی سی غرائی تھی۔ آواز بہت دھیمی رکھی۔ ابا نہیں سن سکتے تھے۔

''تمہارا پچاس فیصد کام ہو گیا۔''

''مگر اسے میرا رشتہ لے کر آنا چاہیے تھا' نہ کہ میرا باپ اس کی منت کرتا۔'' وہ ضبط کے مارے پھٹ بھی نہیں سکتی تھی۔ ''یہ پلان کا حصہ نہیں تھا۔''

''تم نے پلان سنا ہی کب تھا؟'' وہ شانے اچکا کر موبائل پہ بٹن دبانے لگی۔ زمر آنکھوں میں تپش لئے اسے گھور رہی تھی۔ جواہرات نے تھکی ہوئی سانس اندر کھینچی۔

''تم کیوں فکر کرتی ہو؟ شادی کرنی ہے نا، ہو جائے گی۔ چاہے جیسے بھی ہو۔ دیکھو میں زیادہ قرآن نہیں پڑھتی مگر ایک آیت میں بہت خوشی سے ہر جگہ کوٹ کرتی ہوں۔'' ذرا سا مسکرائی۔ ''اور وہ یہ کہ عورتوں کی چالیں بہت عظیم ہوتی ہیں۔'' اس کے گال کو ہولے سے چھو کر وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ زمر انہی سلگتی نظروں سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ کر جیسے ہی جواہرات نے دروازہ بند کیا' فارس نے تیزی سے کار پیچھے کی' گیٹ سے نکالی اور سڑک پہ ڈال دی۔ اس کا جبڑہ بھنچا ہوا تھا' وقفے وقفے سے ایک قہر بار نظر جواہرات پہ ڈال دیتا۔

''یہ سب کیا تھا' مسز کاردار؟''

''ایک معذور اور بے بس آدمی تم سے درخواست کر رہا تھا اپنی بیٹی کے لئے۔''

''میں بچہ نہیں ہوں۔ آپ ان کے منہ میں الفاظ ڈال رہی تھیں۔'' اکتاہٹ سے اس نے سر جھٹکا۔ ''صبح آپ میرے پاس آئیں اور آپ کو میری شادی کی فکر ہونے لگی' اور اتفاق سے آج ہی یوسف صاحب نے یہ بات کہہ دی۔''

''سامنے کی بات ہے' تم سے بہتر داماد ان کو نہیں ملے گا۔''

''یہ خیال بھی آپ نے ہی ڈالا ہو گا ان کے ذہن میں۔ میں تو جیسے آپ کو جانتا ہی نہیں ہوں۔'' غصے سے بولتا' وہ ایکسلیٹر پہ دباؤ بڑھا رہا تھا۔ کار کی رفتار تیز ہوتی گئی۔

''مجھے تمہاری فکر ہے فارس!''

''پہلے تو ساری زندگی آپ کو میری فکر نہیں ہوئی۔''

''یہی تو پوائنٹ ہے فارس۔ میں نے یا اورنگزیب نے ساری زندگی تمہاری فکر نہیں کی' مگر جس شخص نے کی' تم پہ اتنے احسان کیے' جو تمہیں اچھی نوکری دلوانے میں مدد نہ کرتا تو آج تم سڑکوں پہ آوارہ پھر رہے ہوتے' اب وہ شخص معذور ہے' اس کی بیٹی بیمار ہے اور وہ تم سے صرف ایک چیز مانگ رہا ہے' کہ اس کی بیٹی سے شادی کر لو' تو تم اسے بھی انکار کر دو گے؟ کیا یہ ہوتا ہے احسان کا بدلہ؟'' تلخی سے اسے دیکھ کر وہ کہہ رہی تھی۔

فارس اسی طرح تیز ڈرائیو کیے گیا۔ البتہ خاموشی کا لمبا وقفہ دونوں کے بیچ حائل ہو گیا۔

''ان کی بیٹی کبھی نہیں مانے گی۔'' بہت دیر بعد وہ بولا۔

''مان جائے گی۔''

''کبھی نہیں۔''

وہ مان چکی ہے یار۔'' جواہرات نے بے زاری سے سر جھٹکا اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ اسے دیر ہو رہی تھی۔

اور فارس غازی نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا' پھر سامنے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے کا غصہ' ایک نئی سوچ میں ڈھلتا گیا۔ لب کاٹتے' آنکھیں سکیڑے وہ چند منٹ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔

''آپ ان سے کہیے' میں سوچ کر بتاؤں گا۔'' اب کہ وہ بولا تو آواز مدھم تھی۔ جواہرات نے گہری مطمئن سی سانس خارج کی۔ کام تقریباً ہو گیا تھا۔

فارس نے اسے گھرا تارا اور خود کار سے نکل کر ٹیکسی کی طرف ہو لیا۔ قصر کی عقبی سمت میں فیونا ٹرے میں کچھ چیزیں لادے ہاشم کی بالکونی کے بیرونی زینے سے نیچے اتر رہی تھی۔ فارس کار سے اترا، اور وہیں کھڑا رہا۔ جب وہ قریب سے گزرنے لگی تو اسے روکا۔

''اے.... بات سنو!'' انگلی سے اشارہ کیا۔ وہ مودب مگر پراعتماد سی چلتی قریب آئی۔

''یس سر؟''

''تمہاری اتنی ہمت کب سے ہوئی کہ تم میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں داخل ہو؟''

فیونا کا منہ مارے شاک کے کھل گیا۔

''میں تو کبھی بھی نہیں..... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''کیا جب پراسیکیوٹرز مر آئی تھی تو تم اسے میرے گھر نہیں لائی تھی' ہاں؟'' غصیلی آنکھوں سے وہ اسے گھور رہا تھا۔

''کل شام؟ نہیں تو۔ پراسیکیوٹر تو آدھے گھنٹے کے لئے آئی تھیں' سارا وقت وہ مسز کاردار کے پاس بیٹھی رہیں' اور پھر واپس چلی گئیں۔ وہ تو اس طرف آئی بھی نہیں۔'' وہ حیران پریشان سی صفائی دے رہی تھی۔

''سچ کہہ رہی ہو؟''

فیونا نے جلدی سے سر اثبات میں ہلایا۔

''ہوں ٹھیک ہے۔ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔'' وہ مڑنے لگا' پھر رکا۔ ''یہاں پہ میری ایجنیو ہوا کرتی تھی' کدھر گئی؟''

''وہ... اس نے مسز کاردار کا نیکلس چرایا تھا' سو اسے نکال دیا۔''

''اور تم نے اس کی جگہ لے لی۔ ہوں؟''

''جی' میں اب یہاں کی ہیڈ اسٹاف ہوں۔'' گردن ذرا اکڑا کر بولی۔

''ٹھیک ہے۔ آئندہ میرے گھر کے قریب مت پھٹکنا۔'' انگلی اٹھا کر تنبیہ کرتا وہ آگے بڑھ گیا۔ چہرے کے تاثرات میں پھر سے غصہ چھلکنے لگا۔

جو اگلوانا تھا فیونا سے وہ اگلوا لیا تھا۔

''تو میڈم پراسیکیوٹر ادھر آئی تھیں اور سارا وقت جواہرات سے باتیں کرتی رہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ فارس اور زمر کی شادی کا خیال کس نے کس کے ذہن میں ڈالا؟ جواہرات نے؟ یا زمر نے؟ یہ کھچڑی کس نے پکائی، ہوں؟'' اس نے سبزہ زار پہ چلتے ہوئے تنفر سے سر جھٹکا۔ ''کیا یہ دونوں عورتیں مجھے بے وقوف سمجھتی ہیں؟''

اپنے دروازے پہ رک کر اس نے موبائل نکالا اور کال ملا کر کان سے لگایا۔

''جی فرمایئے۔'' سعدی کی مصروف آواز گونجی۔

''کدھر ہو تم؟''

''عموماً اس وقت شریف لوگ اپنے آفس میں ہوتے ہیں' مگر اوہ سوری' آپ کی چونکہ اپنی کوئی جاب ہے نہیں اور چار سال سے آپ بیکار ہیں' تو آپ کو کیا معلوم۔''

''بک بک مت کرو۔ فوراً اپنے دادا کے گھر جاؤ۔''

''جی بالکل' میں تو بیٹھا ہی فارغ ہوں' اور آفس بھی میرے مرحوم ابا جان کا ہے نا' جو میں جب چاہے منہ اٹھا کر نکل جاؤں۔'' وہ جلا بھنا بیٹھا تھا۔ آگے پیچھے کاغذوں' فائلوں کا ڈھیر۔ کمپیوٹر پہ کھلے ڈھیروں کام۔ اوپر سے تازہ تازہ پڑی باس سے ڈانٹ۔

''تم جا رہے ہو یا نہیں؟''

''ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے نکلا تو دوبارہ یہ لوگ داخل نہیں ہونے دیں گے' اور جو میری باس ہیں نا' وہ پہلے ہی....''

''تمہارے دادا نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہاری زمر پھپھو سے شادی کر لوں۔ کیوں ہو گئی زبان بند؟ اب امی کو لے کر ان کی طرف جاؤ' اور جو بھی مناسب لگے کرو۔'' اور دوسری طرف سعدی کی زبان واقعی بند ہو گئی تھی۔ فارس نے فون رکھا اور اندر چلا گیا۔

قدرے فاصلے پہ واقع کاردار قصر کے لاؤنج میں تھکی تھکی سی جواہرات اپنی مخصوص اونچی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ تھوڑی تلے ہتھیلی جمائے' وہ لڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ سہ پہر میں آس پاس سناٹا سا تھا۔ ہاشم' نوشیرواں' سونیا' کوئی بھی گھر پہ نہ تھا۔ وہ بہت عرصے بعد کسی ویک ڈے میں اس وقت گھر پہ تھی اور یہ سناٹا کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ بجائے آفس واپس جانے کے، وہ ادھر ہی بیٹھی رہی۔ آج کی کارروائی نے اسے تھکا دیا تھا۔

پچھلے ایک ہفتے میں اس نے بارہا ماضی کے کئی ادوار کو ذہن میں دہرایا تھا۔

سات سال پہلے.... جب وہ سب پہلی دفعہ ملے تھے۔

پانچ سال پہلے.... جب وہ خوشی سے ایک دوسرے پہ عنایات کیا کرتے تھے۔

چار سال پہلے.... جب ان کے خاندانوں میں خونی لکیر آ کھنچی تھی۔

مگر ماضی کے ابواب کا آخری حصہ ابھی رہتا تھا۔ اور جواہرات کاردار کے لئے یہی سب سے تکلیف دہ تھا۔

ڈیڑھ سال پہلے کیا ہوا تھا' سعدی اب ان کے گھر کیوں نہیں آتا تھا، اور وہ تمام مسئلے جو ہاشم نہیں سنبھال سکا تھا۔

وہ نہ چاہنے کے باوجود بھی یاد کرنے لگی.....

اس کی نم آنکھیں کھڑکی پہ جمی تھیں' اور اس کے شیشے پہ پرانی کہانیاں ابھر ابھر کر ڈوبنے لگیں۔

.....❖❖❖.....

کوئی ہے رنگ' کوئی روشنی' کوئی خوشبو ..... جدا جدا ہے تاثر ہر اک لمحے کا

موجودہ دن سے ڈیڑھ سال قبل:

قصرِ کاردار میں وہ شام بہت سے رنگوں' قہقہوں اور چہل پہل کے ساتھ اتر رہی تھی۔ میری اینجیو ٹرے اٹھائے' مسکراتی ہوئے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس کے عقب میں نیچے کافی آوازیں آ رہی تھیں' جیسے مہمان آئے ہوں۔ وہ اوپر آئی اور ہاشم کے کمرے کے سامنے رکی۔ دروازہ ادھ کھلا تھا۔ ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑے سعدی اور ہاشم کی پشت جھلک رہی تھی۔ سعدی کچھ کہہ رہا تھا' اور ہاشم مسکرا کر سنتا' کف لنکس پہن رہا تھا۔

میری نے دروازہ بجایا۔ وہ دونوں مڑے۔ اس نے ذرا سا سر اندر کیا۔

''سر' آپ کو کاردار صاحب نیچے بلا رہے ہیں۔''

''میں بس تیار ہوں۔'' اس نے دوسرا کف لنک اٹھا کر پہنتے ہوئے خود کو آئینے میں دیکھا۔ وہ مسکرا کر سر ہلاتی واپس مڑ گئی۔

سعدی نے واپس اسے دیکھا' وہ آفس سے ابھی آیا تھا اور چونکہ سعدی کی پوری فیملی ڈنر پہ مدعو تھی' اس لئے وہ آتے ساتھ ہی جلدی جلدی ڈنر کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ نیچے سب کھانا شروع کرنے کے لئے اس کے منتظر تھے۔ سعدی بلانے آیا اور پھر وہیں کھڑا ہو گیا' یہاں تک

کہ میری کو بھیجا گیا۔

''مجھے ڈنر کا پتہ ہوتا تو میں جلدی آ جاتا۔ شہری بتانا بھول گئی تھی۔'' اس نے پرفیوم اٹھا کر کیپ اتارتے' آئینے میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سو تمہاری بہن نے بورڈ ٹاپ کیا ہے' ہوں؟'' اس نے ڈنر کی وجہ پھر سے پوچھی۔

''جی' مگر وہ تو پرانی بات ہو گئی' اب تو انٹری ٹیسٹ کا رزلٹ بھی آ گیا ہے' اور جب انکل کو اس کے انجینئرنگ میں ایڈمیشن کا علم ہوا تو انہوں نے ہمیں ڈنر پہ مدعو کر لیا۔'' پرفیوم کا اسپرے کرتے ہاشم نے مسکرا کر سعدی کو دیکھا۔ وہ سیاہ کوٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس تھا' بال پہلے سے چھوٹے تھے' اور چہرے کی متانت و سنجیدگی بڑھ چکی تھی۔ انداز ابھی بھی معصوم تھا۔

بولتے بولتے سعدی رکا' سانس اندر کو کھینچا' پھر ستائشی انداز میں ہاشم کو دیکھا۔

''کتنا اچھا پرفیوم ہے۔''

''سو تو ہے۔'' ہاشم نے مسکرا کر آئینے میں خود کو دیکھتے' گردن پہ ایک اور اسپرے کیا' پھر کیپ اٹھائی' شیشی پہ چڑھائی۔ شیشی کو ڈبی میں ڈالا' اور سعدی کی طرف بڑھایا۔

''اب یہ تمہارا ہے۔''

وہ ایک دم بدک کے پیچھے ہوا۔ ہاتھ اٹھا کر جلدی سے نفی میں سر ہلانے لگا۔ ''نہیں نہیں ہاشم بھائی' میں اس لئے تو نہیں کہہ رہا تھا۔''

''رکھ لو یار!''

''نہیں' پلیز' میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ اتنا شرمندہ تھا کہ حد نہیں۔ ''اگر آپ اس طرح کریں گے تو میں دوبارہ کبھی آپ کی کسی چیز کی تعریف نہیں کر سکوں گا۔''

ہاشم نے اس کی پوری بات تسلی سے سنی' پھر سر ہلایا' اور پرفیوم کی ڈبی اس کے کوٹ کی جیب میں ڈال دی۔

''مجھ سے بحث میں تم کبھی نہیں جیت سکتے' سو کوشش کیوں کرتے ہو؟ چلو نیچے' سب انتظار کر رہے ہوں گے۔'' اس کا کندھا تھپتھپا کر وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ بے حد خفت سے کھڑے سعدی نے خود کو دس دفعہ کوسا' مگر اب وہ تحفہ واپس نہیں کر سکتا تھا' اور پھر کمرے پہ ایک سرسری نظر ڈالتا واپس پلٹا۔ ان چند منٹوں میں بھی اس نے محسوس کر لیا تھا کہ وہاں شہرین کی کوئی چیز نہیں رکھی تھی۔ وہ غالباً مختلف کمروں میں رہ رہے تھے۔ شہرین بتانا نہیں بھولی تھی' وہ ایک دوسرے سے بات تک نہیں کرتے تھے اور یہ سب کو پتہ تھا۔

وہ دونوں اکٹھے سیڑھیاں اتر رہے تھے جب ہاشم نے سرسری سا سوال کیا۔ ''فارس کیسا ہے؟ ملاقات ہوئی؟''

''جی' بس ایک دو بار ہی ملنے جیل جا سکا ہوں آپ کو تو پتہ ہے' انگلینڈ سے واپس آنے کے بعد ان تین چار ماہ میں میں جاب وغیرہ میں بہت مصروف تھا۔''

''ہوں۔ اس کا کیس کیسا جا رہا ہے؟''

''وکیل سے ملا تھا' وہ تو امید دلا رہا ہے کہ چند ماہ میں ان کو بری کروا لے گا' ہے نا؟'' قدرے امید سے ہاشم کو دیکھا۔ وہ زبردستی مسکرا دیا۔

''بالکل۔'' اور دونوں آگے بڑھتے آئے۔

ڈرائنگ روم میں روشنیوں کی برسات تھی گویا۔ فانوس' میز کی موم بتیاں' سب جل رہا تھا۔ سربراہی کرسی پہ اورنگزیب کا ردار براجمان تھے۔ دائیں ہاتھ جواہرات تھی' اور بائیں ہاتھ کی پہلی کرسی خالی تھی۔ ہاشم نے وہی کرسی سنبھالتے ہوئے' اورنگزیب کی سیدھ میں دوسری سربراہی کرسی پہ بیٹھی حنین کو دیکھا' جس کو وہ زمر کے حادثے کے بعد' یعنی ڈھائی سال بعد اب دیکھ رہا تھا۔ اس کی عینک' ماتھے پہ گئے اور

باقی ہیئر بینڈ لگے کھلے بال ویسے ہی تھے البتہ قد کافی لمبا ہو گیا تھا اور اعتماد پہلے سے بڑھ گیا تھا۔

''مبارک ہو حنین۔'' مسکرا کر کہتے ہوئے وہ فوراً انگیجمن پھیلانے لگا اُسے معلوم تھا حنین کڑوے منہ سے ''تھینکس'' کہہ کر رخ پھیر لے گی اور ایسا ہی ہوا۔ وہ علیشا والا لفظ ابھی تک دل میں رکھے ہوئے تھی۔

''آپ اپنے چھوٹے بیٹے کو نہیں لائیں؟'' سعدی بھی بیٹھ گیا تو جواہرات گردن موڑ کر ساتھ بیٹھی ندرت سے پوچھنے لگی۔

''اس کے دوست کی سالگرہ تھی اس کو وہاں ڈراپ کر کے ہم آئے ہیں۔'' ندرت پھیکا سا مسکرا دیں۔ ان کے مقابل بیٹھی شہرین سب سے بے نیاز موبائل پہ بٹن دبا رہی تھی۔ ساتھ موجود نوشیرواں بے زار لگ رہا تھا' گویا زبردستی بیٹھایا گیا ہو۔

''تم باہر پڑھنے کیوں نہیں جاتیں' ہوں؟'' اورنگزیب نے اپنی سیدھ میں بیٹھی حنین کو مخاطب کیا۔ ملازم اب آخری لوازمات میز پہ رکھ رہے تھے۔

''ماسٹرز کے لئے باہر جاؤں گی۔'' وہ اشتہا انگیز چیزوں کو نہ دیکھنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

''او کے' کھانا شروع کرتے ہیں۔ حنین تم شروع کرو۔'' اورنگزیب نے اسے اشارہ کیا۔ وہ لمحے بھر کو رکی۔ امریکی ڈرامے یاد کرنے کی کوشش کی۔ یہ گورا ٹائپ لوگ کھانے کے شروع میں کیا کرتے ہیں؟ ٹوسٹ؟ گریس؟

''حنین کو بہت اچھا قرآن آتا ہے' ترجمے کے ساتھ۔'' سعدی نے کھنکار کر اسے دیکھا' وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''حنہ' تم تھوڑا سا قرآن سنا دو' اور پھر کھانا شروع کرو۔''

حنین نے پہلے سعدی کو دیکھا' پھر اورنگزیب سمیت منتظر نظروں سے اسے تکتے لوگوں کو۔

''آہم۔ او کے۔ ایک آیت پڑھ دیتی ہوں۔'' اس نے ڈوپٹہ سر پہ جمایا' ایک خفا نظر بھائی پہ ڈالی' اور بظاہر مسکرا کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سورۃ المرسلات میں' 'کلوا واشربوا ھنیئاً بما کنتم تعملون۔'' (کھاؤ اور پیو خوب مزے سے بوجہ اس کے جو اعمال تم نے کیے ہیں۔)'' چہرے پہ دونوں ہاتھ پھیرے۔ اورنگزیب کو ترجمہ معلوم نہ تھا' بس سر ہلا کر ''ہوں گڈ'' کہا اور کھانے کا آغاز کرنے لگے۔ حنین نے مسکراتی آنکھیں گھما کر بھائی کو دیکھا' جو ضبط سے اُف کر کے رہ گیا۔ (آیات بھی اپنے مطلب کی یاد تھیں کتو بیلگم کو؟) مگر اس کے اُف سے بے نیاز وہ ڈشز میں سے چن چن کر چیزیں اپنی پلیٹ میں بھر رہی تھی۔

کھانے کے درمیان میں ہی شیرو کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اورنگزیب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ ''میں سیر ہو چکا ہوں'' کہہ کر لاؤنج کی طرف چلا گیا۔ سعدی نے رک کر اسے دیکھا۔ اس نے جاتے جاتے بھی ایک اکتائی ہوئی نظر سعدی پہ ڈالی تھی۔ سعدی کی نظریں جھکیں' شیرو کی پلیٹ میں ذرا سا سلاد تھا وہ بھی اس نے آدھا کھایا تھا۔ ان دونوں کی آخری دفعہ بات کب ہوئی تھی اسے یاد بھی نہ تھا۔

''اور آج کل تم کیا دیکھ رہی ہو؟''

اورنگزیب کے سوال پہ سعدی نے بے اختیار جیب میں ہاتھ ڈالا' شاید روئی کا کوئی گولہ مل جائے جسے وہ کان میں ٹھونس سکے۔ کیونکہ ابھی کوریا نامہ شروع ہونا تھا۔ حنین نے تسلی سے منہ میں موجود نوالا ختم کیا اور پھر وہ شروع ہوئی۔

''میرے نزدیک دنیا کا بہترین ڈرامہ ساؤتھ کوریا میں بنتا ہے' کورین فلمیں بھی زبردست ہیں مگر کورین ڈرامے اور ان کے اداکار' ان کی کہانیاں' کیا بات ہے۔ پچھلے ایک سال میں' میں نے ایک سو گیارہ کورین ڈرامے اور فلمیں دیکھی ہیں' پچاس فلمیں اور اکسٹھ ڈرامے۔ Lee Min Ho میرا فیورٹ ہے' اور اس کا ڈرامہ سٹی ہنٹر...'' مگر اب میری انگیج میز کے وسط میں croquembouche رکھ رہی تھی۔ گولڈن براؤن کاریمل جسے جلدی جلدی چند گیندیں توڑ لے مگر... اخلاقیات! او نہہ۔

''ایک سو گیارہ فلمیں اور ڈرامے دیکھنے کے باوجود تم نے بورڈ کیسے ٹاپ کیا؟'' ایک ٹکڑا توڑتے ہاشم نے یونہی پوچھا' تو حنین نے چونک کر اسے دیکھا' پھر چہرے پہ ناپسندیدگی پھیل گئی۔

''میں بہت کچھ ایک ساتھ کرنے میں ماہر ہوں' ہاشم بھائی!''

ہاشم کندھے اچکا کر کھاتا رہا۔ شہرین بس پلیٹ کو دیکھتی کھا رہی تھی۔ جواہرات مضطرب مگر مسکراتی نظروں سے بار بار لاؤنج کی سمت دیکھتی جہاں شیرو غائب ہوا تھا۔ سوائے سعدی کے' وہ کسی کی بات کا اچھے دل سے جواب نہیں دے رہی تھی۔ شیرو اور اورنگزیب کا کسی نہ کسی بات پہ روز جھگڑا ہونا معمول بن گیا تھا۔ صبح بھی نئی گاڑی لینے کی فرمائش پہ اسے جھاڑ پڑی تھی۔ اور پھر سعدی کو برداشت کرنا۔ اس کا جینا محال ہو چکا تھا۔

کھانے کے بعد سب لاؤنج میں آ بیٹھے تو وہ وہاں سے بھی اٹھ گیا۔ ٹی وی چلتا رہا' آوازیں' باتیں۔ اورنگزیب صاحب کی کوئی کال آ گئی' وہ اٹھ کر باہر گئے تو سعدی کے ساتھ صوفے پہ بیٹھی ندرت نے آہستہ سے سرگوشی کی۔

''کیا تم نے ہاشم سے فارس کے کیس کی بات کی؟''

''ان کا وکیل کر تو رہا ہے نا امی' اب اور کیا کرے۔''

''کیا کر رہا ہے وکیل؟ ڈھائی سال سے چند ماہ' چند ماہ کی رٹ لگا رکھی ہے' ایسے تو اگلے پانچ سال گزر جائیں گے اور فارس باہر نہیں آئے گا۔'' وہ اس کو شکوہ کناں' نم آنکھوں سے دیکھ کر بولیں تو سعدی نے خفگی سے ان کو دیکھا۔

''تو میں کیا کروں امی؟ ہاشم بھائی وکیل کو پیسے دے رہے ہیں' اب تاریخ نہیں ملتی اگلی پیشی کی تو ہم کیا کریں۔''

''تم سعدی اپنے ماموں کو بھولتے جا رہے ہو۔ تم سب اپنی زندگی میں مگن ہو کر اس کو اس کے حال پہ چھوڑ چکے ہو۔''

''امی!'' اس کا دل دکھ گیا۔ ''ایسے نہیں ہے۔ میں نے جاب شروع کی ہے' چھے بجے تو گھر آتا ہوں' اتنے کام ہیں' میں پھر کر بھی کیا سکتا ہوں؟''

ندرت نے جواب نہیں دیا۔ آنکھ کا کنارہ پونچھتیں' خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔ سعدی نے بھی رخ پھیر لیا۔ (اب وہ اور کیا کرے؟ وہ وکیل تو نہیں ہے نا' پر امی کو سمجھ ہی نہیں آتی۔) اس نے چڑ کر سوچا۔ (امی کو تو ہر وقت ایک ہی سوچ پریشان کیے رکھتی ہے کہ....) اسی وقت ندرت بڑبڑائیں۔

''پتہ نہیں وہ اس وقت کس حال میں ہوگا؟ کھانا بھی کھایا ہوگا یا نہیں؟ نہ جانے کتنے ظلم کر رہے ہوں گے پولیس والے اس پر۔''

(بالکل! یہی سوچ!) وہ تنک کر رخ پھیر گیا۔ شہرین اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے دیکھا تو وہ کسی اور جانب دیکھنے لگی۔ ندرت ہنوز وہی سوچ رہی تھیں۔ فارس۔۔۔ اس مظلوم کا اس وقت کیا حال ہوگا؟

.....❖❖❖.....

قصر عمر گواہی دے گا کیسے کیسے کرب سہے ..... کیسی کیسی رت گزری ہے ہم پر اتنے سالوں میں

جیل کے برامدے میں مدھم بتیاں جل رہی تھیں، پہریدار اسی حوالاتی کوٹھی کے باہر جمع تھے، اور وہ اندر کھڑا، سفید کرتے کے آستین موڑے، سلاخیں پکڑے، غصے سے اونچا اونچا کہہ رہا تھا۔

''اے سنگل پسلی، بات دماغ میں فٹ کر لو، آئندہ اس طرف سے۔۔'' (کنارے والے کمروں کی طرف اشارہ کیا) ''اشرف چیمہ کا کوئی بندہ ادھر آیا نا تو اپنے قدموں پہ واپس نہیں جائے گا۔''

جواب میں اس سیل سے مونچھوں والے اشرف چیمہ نے چلا کر کچھ کہا تو وہ اور بھی بھڑک گیا۔

''اس کو چپ کرالو محمد دین، ورنہ آج یہ میرے ہاتھوں نہیں بچے گا۔''

''اچھا بس کردے، تو ہی چپ ہو جا۔۔۔''

''میرے گروپ کے بندے اس کے باپ کے ملازم نہیں ہیں جو اس کے حصے کی مشقت کریں، اس کو آخری دفعہ سمجھا دو، ورنہ۔۔''

۹ راب بلند ہوتا جا رہا تھا، پھر بمشکل سپاہیوں نے آ کر معاملہ رفع دفع کرایا۔ فارس ہونہہ کرتا سر جھٹکتا واپس زمین پہ آ بیٹھا۔ اس تاریک کمرے میں دوسرے کونے میں کوئی اور بھی بیٹھا تھا۔

''غازی بھائی، یہ سپاہی آپ لوگوں سے ڈرتے کیوں ہیں؟''

''ہم چھوٹ کر چلے جائیں گے، یہ یہیں ڈیوٹی دیتے رہیں گے، اصل قیدی تو یہی ہیں۔'' وہ بے زاری سے بولا، پھر تیکھی نظروں سے اس لڑکے کو دیکھا جس کا چہرہ تاریکی میں تھا۔

''اپنے حصے کا کام وقت پہ ختم کیا کرو، تمہارے باپ کی جیل نہیں ہے یہ۔''

''یونو، میرے ایک قیدی کی حیثیت سے بھی بہت رائیٹس ہیں جن کی وائیلیشن کے جرم میں میں گورنمنٹ آف پاکستان کو sue کر سکتا ہوں، اور جب سے میں ادھر آیا ہوں، میرا ایک بھی رائٹ پورا نہیں کیا گیا۔'' وہ بہت سنجیدگی سے کہتے ہوئے آگے کو ہوا تو چہرا روشنی میں آیا۔ وہ خوش شکل نوجوان تھا وہ، بال نوعمر لڑکوں کی طرح ماتھے پہ کٹے تھے، اور آنکھوں میں لاپرواہی تھی۔

''جاگ جاؤ، بیٹا، یہ پاکستان ہے!''

''پتہ ہے۔ مگر جتنا وقت آپ جیل میں جھگڑوں اور گروہ بندی پہ لگاتے ہیں نا، اگر اتنا اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانے پہ لگا دیتے تو۔۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولا۔

''اپنے کام سے کام رکھو۔ زیادہ اسٹپنی نہ ہو۔'' وہ چڑ کر رخ پھیر گیا۔

''ویسے آپ نے یہ دونوں قتل کیے تھے؟'' کچھ دیر بعد وہ دلچسپی سے پوچھنے لگا۔ فارس نے مڑ کر ترشی سے اسے گھورا۔

''پچھلے چھ گھنٹے سے کتنی دفعہ پوچھ چکے ہو، میں بار بار بتانے کا پابند نہیں ہوں۔ تم بتاؤ، کس جرم میں آئے ہو؟'' کڑے انداز میں نئے سیل میٹ کی تفتیش شروع کی جو آج کے جھگڑے کے باعث ابھی تک ہو نہیں سکی تھی۔

''میں۔۔۔'' اس نے بے پرواہی سے سامنے کے بال ہٹائے۔ ''کریڈٹ کارڈ فراڈ کے جرم میں۔ حوالاتی قیدی ہوں۔ کیس عدالت میں چل رہا ہے۔''

''تو تم نے جرم کیا تھا؟''

''کیا تو تھا!'' وہ چڑانے والے انداز میں مسکرایا۔

''لگ بھی رہا ہے۔ پراسیکیوٹ کون کر رہا ہے؟'' یہ سوال وہ اکثر پوچھا کرتا تھا۔

''وہ جو پورے کورٹ میں سب سے سڑی ہوئی پراسیکیوٹر ہے۔ زمر یوسف۔'' اس نے منہ بنایا۔ فارس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''تمہارا وکیل اس کے مقابلے میں کیس جیت جائے گا؟''

''ہا۔۔۔ ایسا ویسا۔۔۔ ہاشم کاردار ہے میرا وکیل۔'' اس نے کالر جھاڑے۔ فارس چونکا۔

''اس کو دینے کا پیسہ کہاں سے آیا؟ شکل سے تو تم یتیم خانے سے بھاگے لگتے ہو۔''

''وہ میں، اصل میں اورنگزیب کاردار کا کیمپین مینیجر رہا ہوں، اس لیے انہوں نے زبردستی ہاشم کو میرا وکیل مقرر کر دیا ہے۔'' احمر شفیع ہنس کر بولا۔ فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تو تم اورنگزیب کا کردار کے لئے کام کرتے تھے؟''

''جی۔آپ کے ماموں کے لیے۔اورنہیں' میں اتفاق سے آپ کے سیل میں نہیں آیا۔ہاشم نے مجھے ادھر بھجوایا ہے' تاکہ میں آپ کا خیال رکھ سکوں۔'' فارس نے جواباً تیز نظروں سے اسے گھورا۔

''خیال رکھ سکو یا نظر؟''

''ظاہر ہے،نظر!۔'' وہ لاپرواہی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔باہر اندھیرے میں مدھم جلتی بتیوں میں پہریدار ٹہلتے نظر آرہے تھے۔

''کیا کرتے تھے ماموں کے لئے؟'' وہ اس لڑکے کو مسلسل چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''الیکشن اسٹریٹجی' کیمپئن مینجمنٹ، پبلک امیج کنسلٹنسی وغیرہ۔''

''یعنی ان کو ایڈوائز کرتے تھے۔کبھی جیل میں سڑتے بھانجے کو نکلوانے کا مشورہ نہیں دیا؟''

''وہ....'' احمر نے کھسیانے انداز میں تھوڑی کھجائی۔''وہ تو مدد کرنا چاہ رہے تھے آپ کی مگر....''

''مگر؟'' وہ چونکا۔

''دیکھیں ان کے الیکشن کے لیے یہ اچھا نہیں تھا' سو میں نے مشورہ دیا کہ....وہ خود کو لاتعلق کرلیں آپ سے...بھئی وہ میرے کلائنٹ تھے' مجھے ان ہی کا فائدہ دیکھنا تھا نا۔'' وہ جلدی جلدی وضاحت دے رہا تھا اور فارس ایک دم سے اٹھ کر بیٹھا،بس نہیں چلتا تھا کہ اس کی گردن مروڑ دے۔

''تو یہ نیک مشورے دینے والے تم تھے؟'' ضبط بھری کڑی نظروں سے اسے گھورا۔''یوں کرو' اپنا سامان سمیٹ لو' اور صبح کسی اور سیل میں اپنی شکل گم کرلینا۔یہاں نہیں رہو گے تم۔'' درشتی سے کہتے ہوئے وہ اٹھ کر دور چلا گیا۔

احمر نے معصومیت سے گردن سینے پہ گرادی۔

''سچ بولنے کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔''

.....❖❖❖.....

سب سخن ' اس لب سخن کے اسیر ..... سارے موسم گلاب ہیں جیسے

اورنگزیب کال سن کر آ گئے تھے۔لاؤنج میں سوائے خاموش بیٹھی ندرت کے' سب باتیں کر رہے تھے۔حنین اور سعدی' ہاشم کی سیاست کے موضوع پہ کی گئی کسی بات پہ بحث کر رہے تھے۔اورنگزیب آ کر بیٹھے تو حنین پوچھنے لگی۔

''کیا آپ نے وہ تمام ڈرامے دیکھے جن کے لنکس میں نے آپ کو میل کیے تھے؟''

''اتنا وقت نہیں ہوتا میرے پاس۔ہاں' دس پندرہ سال بعد کبھی فرصت ملی تو دیکھوں گا۔''

''ویسے اگر آپ نے ''کے'' ڈرامے (کورین ڈرامے) نہیں دیکھے'...''کے'' پوپ نہیں سنا' تو کچھ دیکھا سنا نہیں ہے۔''

''کیا تمہیں سارے کورین ایک جیسے نہیں لگتے؟ ایک ہی چائنیز شکل والے؟'' اور ان کے اس سوال پہ حنین حسبِ معمول جذباتی ہوگئی۔

''ہم ساری قوموں کا یہی مسئلہ ہے۔ہمیں دوسری قوم والے ایک جیسے لگتے ہیں۔سیاہ فام بھی ایک سے' اور چائنیز بھی ایک سے۔ ورنہ وہ بھی اتنے ہی مختلف ہوتے ہیں جتنے ہم۔اور خوبصورت بھی بہت ہوتے ہیں....''

حنہ بولے جا رہی تھی۔ہاشم آہستہ سے اٹھ کر کچن کی طرف آ گیا۔کچن گھر کے آخری کونے میں تھا۔وہاں سینٹر ٹیبل پہ نوشیرواں کھانا کھا رہا تھا۔میری اینجیو قریب کھڑی تھی۔ہاشم نے چوکھٹ میں کھڑے' تھکی ہوئی سانس بھری۔شیرو نے چونک کر اسے دیکھا' پھر شرمندگی سے پلیٹ

ہا ے کی۔

''کھاؤ' شاباش' میں منع تو نہیں کرنے آیا۔'' مگر وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے بڑبڑایا۔

''میں نہیں کرسکتا اس کو برداشت۔ اور آپ لوگ اس کو فیملی سمیت مدعو کر لیتے ہیں۔''

ہاشم نے میری کو اشارہ کیا۔ وہ باہر نکل گئی۔ پھر وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

''تمہیں ابھی تک یہی غصہ ہے کہ اتنے سال پہلے اس نے تمہاری شکایت ممی کو کیوں لگائی؟''

''کیا نہیں ہونا چاہیے؟'' وہ بگڑا۔

''کیا تم نے پھر ڈرگز لیں؟''

''نہیں تو۔''

''اور ڈرگز نہ لینے سے تمہاری تعلیم پہ اچھا اثر پڑا' آج تم ایک کامیاب انسان بن چکے ہو۔ اس نے تمہارے لئے ایک اچھا کام کیا' اور تم ناراض ہو؟''

نوشیرواں کے تنے اعصاب ذرا ڈھیلے پڑے۔ ''وہ تو ٹھیک ہے مگر....''

''مگر یہ کہ شیرو' کیا یہ وہی سعدی نہیں ہے جس نے تمہاری جان بچائی تھی' تمہیں بروقت ہسپتال لے جا کر؟''

نوشیرواں چپ ہو گیا۔

''اب اس ناراضگی کو بھول جاؤ۔''

''کیسے بھول جاؤں؟ پانچ سال اس ٹینشن میں گزارے کہ میری ہر موو کو وہ مانیٹر کر رہا ہے۔ جو ممی سے میرے بے عزتی ہوئی' اس کے بعد کتنا عرصہ ممی مجھ سے مجرموں کی طرح سوال جواب کرتی رہیں۔ اور....''

''تمہارا اس سے کسی لڑکی پہ جھگڑا تو نہیں ہے؟'' ہاشم نے مسکراہٹ دبا کے پوچھا۔ اس کا موڈ مزید بگڑ گیا۔

''اتنا لوزر لگتا ہوں میں آپ کو؟'' (اور یہ شکر تھا کہ گئے برسوں میں ایک لڑکی کے منگیتر سے پڑنے والی مار کی بھنک ہاشم کو نہیں پڑی تھی۔ جب وہ مار پڑی تھی' تو سعدی سامنے بیٹھا کیفے میں کافی پی رہا تھا۔ اف!)

''چلو پھر موڈ ٹھیک کرو۔ لاؤنج میں اس کی وہ تیز طرار بہن پھر سے بولنا شروع ہو چکی ہے۔ اس کو برداشت کرنے کے لئے مجھے تمہاری مدد چاہیے۔'' نوشیرواں سر جھٹک کر ہنسا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں باہر نکلے تو راہداری میں میری کھڑی' ایک فلپینو لڑکی کو کچھ سمجھا رہی تھی۔ وہ نروس' مگر ذہین سی لگتی لڑکی تیز تیز سر ہلائے جا رہی تھی۔ ہاشم نے سوالیہ نظروں سے میری کو دیکھا۔

''سر' یہ فیبو نا ہے۔ فی...او...نا۔'' توڑ توڑ کر اس کا نام ادا کیا۔ ''یہ نئی ملازمہ ہے۔ مسز جواہرات نے رکھی ہے۔ آج سے جوائن کیا ہے اس نے۔''

''ہوں۔'' وہ ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالتا آگے نکل گیا۔ شیرو نے تو اسے دیکھا بھی نہیں۔

اندر جب حنین' اورنگزیب سے بات کر رہی تھی تو شہرین مسلسل سعدی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی' مگر جواہرات سامنے بیٹھی تھی' اور اس کے سامنے شہرین کو خود کو سعدی سے لاتعلق ظاہر کرتی تھی' سو خاموش رہی۔

ہاشم اور نوشیرواں واپس آئے تو حنین کا ڈرامہ نامہ ابھی تک جاری تھا۔

''بیٹا آپ کو پتہ ہے' شیرو کل تائیوان جا رہا ہے۔ ابھی آپ کسی تائیوانی ڈرامے کی بات کر رہی تھی نا۔'' ہاشم نے مسکراتے ہوئے اسے ٹوکا اور سامنے صوفے پہ بیٹھا۔ حنین کی چلتی زبان رکی' سر گھما کر شیرو کو دیکھا۔

''تائیوان میں کیا رکھا ہے؟ جانا ہے تو ساؤتھ کوریا جائیں۔''

''آفس کے کام سے جا رہا ہوں۔'' شکایتی نظر باپ پہ ڈالی۔ ''کوریا کئی دفعہ جا چکا ہوں پہلے۔''

''تو دوبارہ چلے جائیں۔ میرے لیے kimchi لے آیئے گا۔'' وہ پرجوش سی ہو کر کہنے لگی۔ سعدی نے تنبیہی نظروں سے اسے گھورا مگر وہ متوجہ نہیں تھی۔ اکھڑے اکھڑے سے بیٹھے شیرو نے کندھے اچکائے۔

''ہاں وہاں بھی ایک دو دن کے لیے چلا جاؤں شاید۔ لے آؤں گا۔''

''واؤ... یو آر لکی۔'' آگے پیچھے نوشیرواں جیسے لوزر کو لفٹ نہ کرانے والی حنین بے اختیار ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

ندرت ہنوز خاموش بیٹھی تھیں۔ ان کو اس ڈنر میں کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

کچھ بھی کہو' سب اپنی اناؤں پر اڑے ہیں ..... سب لوگ یہاں صورت اصنام کھڑے ہیں

اس سرد سی رات جب فارس اپنے نئے ساتھی قیدی کو سخت سست سنا کر پرے لیٹ چکا تھا، اور ندرت کا ردار قصر میں عدم دلچسپی سے بیٹھی تھیں، ان سب سے دور، یوسف صاحب کے گھر میں، صداقت بھاپ اڑاتی کافی زمر کے سامنے رکھ رہا تھا۔

دفعتاً سر براہی جگہ پہ بیٹھے بڑے ابا ذرا کھنکارے۔ وہ باسی اخبار دیکھتے ہوئے چونکی' نظر اٹھا کر ان کو دیکھا۔

''کس بات کی تمہید باندھنا چاہ رہے ہیں؟''

''وہ... فارس کے کیس کی سماعت اسی مہینے ہے نا؟'' اس ذکر پہ اس کے ابرو تن گئے۔ واپس اخبار دیکھنے لگی۔

''آپ یہ ظاہر کرنا چاہ رہے ہیں کہ لاؤنج کی میز پہ رکھا سمن آپ نے نہیں دیکھا جس میں مجھے پیش ہونے کے لیے کہا گیا ہے؟''

''زمر....'' وہ بے بسی سے آگے کو ہوئے۔ ''کیا تم اس کے خلاف گواہی دو گی؟''

''جو سچ ہے وہی کہوں گی۔'' وہ اخبار پڑھتی رہی۔

''ڈھائی سال ہو گئے اس بات کو' تم ایک دفعہ بھی اس سے نہیں ملیں۔ اس کی بات تو سن لو۔''

''میں جج ہوں' نہ پراسیکیوٹر' نہ ڈیفینڈر۔ میں صرف ایک گواہ ہوں۔ اپنی بات وہ عدالت میں کہے۔ مجھ سے کیوں امید رکھتا ہے؟''

''سعدی سے تو مل لیا کرو۔'' انہوں نے ایک اور کوشش کی۔

''وہ میری موجودگی میں گھر آتا تو مل لیتی۔ نہیں آتا تو میں کیا کروں؟''

''وہ تو تمہارا سعدی ہے' ہمارا سعدی۔ اس کا کیا قصور ہے؟''

''جب مجھے اس کی ضرورت تھی' وہ میرے ساتھ نہیں کھڑا تھا۔ ہسپتال میں رشتہ داروں کی لعن طعن کے وہ تکلیف دہ دن، وہ راتیں جب میں درد کی شدت سے بیدار ہو جاتی تھی، میں نے کیسے گزارے، مجھے یاد ہے۔ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ میں اکیلی ٹھیک ہوں۔'' صفحہ پلٹا کر اندرونی طرف سامنے کی۔ چہرے پہ سنجیدگی' اور سپاٹ پن تھا۔ وہ افسوس سے اسے دیکھے گئے۔

''کیا تمہیں اپنی گواہی پہ خود یقین ہے؟''

''نہ ہوتا تو کبھی گواہی نہ دیتی۔ اور رہی گواہی تو وہ میں پچھلی پیشی پہ دے چکی ہوں۔ اس دفعہ مجھے صرف Cross Examine کرنے کے لئے بلایا جا رہا ہے۔'' ساتھ ہی مگ اٹھا کر گھونٹ بھرا۔

''ندرت کو ٹرپل ویسل (دل کی نالیوں کی) بیماری ہو گئی ہے۔ اس کا دل ٹھیک کام نہیں کرتا۔ اگر فارس کو سزا ہو گئی تو وہ صدمے سے مر جائے گی۔''

''یہ فارس کو مجھ پہ گولی چلانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔'' دوسرا گھونٹ بھر کر مگ واپس رکھا۔ نگاہیں اخبار پہ نیچے کی سمت دوڑاتی گئی۔ ناک کی لونگ دمک رہی تھی۔

''سعدی کے گھر ہی چلی جایا کرو۔''

''ضروری کام ہوا تو چلی جاؤں گی۔ ناراض تھوڑی ہوں میں اس سے۔'' ساتھ ہی اس کا فون بجا۔ وہ بات کرنے میں مصروف ہوگئی اور بڑے ابا اپنی ادھوری چائے کو دیکھے گئے۔ آج تو چائے کے ساتھ بات بھی ادھوری رہ گئی تھی۔

.....❖❖❖.....

ہم نہ کہتے گھر جاؤ گے ..... کس جگہ پہنچے ہو آخر دیکھو

(یہ حنین کو دیے جانے والے ڈنر سے چار روز بعد کا ذکر ہے۔)

رات کا اندھیرا ہر سو پھیلا تھا۔ سردی مزید بڑھ گئی تھی۔ چھوٹے باغیچے والے گھر میں سعدی کے کمرے میں اندھیرا تھا۔ وہ کمبل تانے گہری نیند سو رہا تھا۔ یکا یک وہ ذرا سا ہلا۔ پھر کمبل ہٹایا تو بکھرے بال' اور چہرہ واضح ہوا۔ وہ اچنبھے سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ دماغ اتنا سویا ہوا تھا کہ معلوم نہ پڑتا' یہ آواز کدھر سے آ رہی تھی۔ زوں زوں۔

اس نے تکیہ ہٹایا۔ نیچے دبا موبائل بج رہا تھا۔ آہ۔ وہ نیند سے کراہا۔ موبائل اٹھایا۔ رات کے ڈیڑھ بجے اور ان جان نمبر۔ اکتا کر اس نے فون کان سے لگایا۔ ''ہیلو؟'' آواز بھاری اور نیند میں ڈوبی نکلی۔

''سعدی ابھی اسی وقت میرے گھر آ سکتے ہو؟''

اس کی نیند میں ڈوبی آنکھیں ذرا سی کھلیں۔ ''کو.... کون ہے؟''

''سعدی' اٹھو اور میری بات سنو۔'' ذرا زور سے کہا گیا تو وہ چونک کر اٹھا۔ ''ہاشم بھائی؟ خیریت؟'' حیرت سے آنکھیں ملیں۔

ٹیبل لیمپ جلایا۔ گھڑی روشن ہوئی۔ ڈیڑھ بجے۔

''ابھی اسی وقت میرے گھر آؤ' اپنی بہن کو لے کر۔ ٹریفک نہیں ہوگا' بیس منٹ لگیں گے۔ تم دونوں آؤ اور اکیسواں منٹ نہیں ہونا چاہیے۔'' اس کا لہجہ' انداز' سعدی فکر مند ہوگیا۔

''مگر ہوا کیا ہے؟''

''تم ابھی تک بستر سے نہیں نکلے کیا؟ جلدی کرو یار' میں انتظار کر رہا ہوں۔'' اور فون بند ہوگیا۔ وہ حیران و پریشان سا بیٹھا رہ گیا' پھر تیزی سے بستر سے نکلا۔ دو' تین منٹ بعد وہ منہ پہ چھینٹے مار' کپڑے بدل کر' جیکٹ پہنے' کار کی چابی اٹھائے باہر آیا تو لاؤنج سے آوازیں آ رہی تھیں۔ معلوم تھا وہ جاگی ہوئی ہوگی۔

کمپیوٹر کے سامنے کرسی پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی' ہیڈ فون چڑھائے' ہنستی ہوئی اسکرین کو دیکھتی' ساتھ پیالے سے پاپ کارن اٹھا کر منہ میں رکھتی' حنین روز رات گئے تک یونہی پائی جاتی تھی۔ آہٹ پہ وہ چونکی' پھر بھائی کو آتے دیکھ کر پرجوش سی بتانے لگی۔

''پتہ ہے' سوپر جونیئر (کوریا کا ایک بینڈ) ایک شو میں آئے ہوئے ہیں' اور ان کو لوگ اپنے مسئلے بتا رہے ہیں' جیسے ایک لڑکے کا دوست سانپ اور بچھو کھانے لگ گیا ہے تو وہ....'' سعدی نے آگے آ کر کمپیوٹر کی تار کھینچی۔

''سوئیٹر پہنو' اور باہر آؤ' میں کار میں انتظار کر رہا ہوں۔''

''ہا!'' وہ ہکا بکا رہ گئی۔ پھر غصے سے ہیڈ فون اتارے۔ ''اتنی مشکل سے ویڈیو ڈاؤن لوڈ کی تھی اور....''

''حنین جلدی کرو۔ کوئی وجہ ہے تو کہہ رہا ہوں نا۔'' سختی سے کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ کار اسٹارٹ کی تو وہ بھی آ ہی گئی۔ گرین لمبا

اوورکوٹ پہنے (جو تھا تو ایل شاپ کا، مگر امی کی تاکید تھی کہ ہر ایک کو کہنا ہے، سارہ لندن سے لائی ہے) اندر سوئیٹر۔ گردن کے گرد دوپٹہ اور بال ہیئر بینڈ لگا کر کھلے چھوڑے، چہرے پہ ڈھیروں ناراضی لئے۔ چپ چاپ فرنٹ سیٹ پہ آ بیٹھی۔ سعدی خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ پھر حنین نے اپنے (اور امی کے مشترکہ) موبائل پہ گانا آن کر لیا۔

ý ˩ý ˩ p˩ þHello Hello You Shiny Boy ˩p ˩ساتھ میں سر دھننے لگی۔

''بند کرو اس سوپر جونیئر کے ماماشیتا کو۔''

''یہ ماماشیتا نہیں ہے، سٹی ہنٹر کا گانا ہے، اس میں Lee Min Ho آتا ہے۔ پتہ ہے، اس کے باپ کو گورنمنٹ نے مار دیا ہوتا ہے، تو وہ کئی سال بعد انتقام لینے کوریا کے صدر کا سیکیورٹی آفیسر تعینات ہو جاتا ہے، اور...''

پھر رکی... ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''ہاشم بھائی نے بلایا ہے۔ کوئی مسئلہ ہے؟''

وہ حیران رہ گئی۔ ''تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کیا ہاشم بھائی خود ہر مسئلہ سنبھال نہیں لیا کرتے؟'' اس کی نقل اتار کر سر جھٹکا۔

''میرا خیال ہے، دنیا میں ابھی کچھ مسئلے ہیں جنہیں وہ نہیں سنبھال سکتے۔'' سعدی نے گہری سانس بھر کر شانے اچکائے۔

جب وہ کاروار قصر کے اندرونی دروازے میں داخل ہوئے تو ہاشم سامنے ہی کھڑا تھا۔ سیاہ ٹراؤزر پہ گرے ٹی شرٹ پہنے، وہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ انہوں نے شاید پہلی دفعہ اسے ٹی شرٹ میں دیکھا تھا۔

''اوپر میرے کمرے میں جاؤ، میں آ رہا ہوں۔'' اس نے سعدی کو اشارہ کیا۔ اس کا حلیہ، ساتھ ہی مصروف مگر پریشان انداز۔ اور پھر پلٹ کر لاؤنج میں پریشانی سے ٹہلتی، کچھ بولتی جواہرات۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہی تم اتنی دیر کیوں کر رہے ہو ہاشم؟ ان کو پیسے دو اور میرے بیٹے کو واپس لاؤ...'' دبا دبا غراتی وہ رکی، دونوں بہن بھائی کو دیکھ کر جھٹکا لگا۔ ''ان کو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟''

سعدی، حنین کا ہاتھ تھامے فوراً اوپر لے آیا۔ ہاشم کے کمرے کا دروازہ کھولنے سے قبل انہوں نے نیچے ہاشم کو کہتے سنا۔

''ممی، آپ آرام سے بیٹھ جائیں، میں کر رہا ہوں نا۔'' اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے وہ سمجھا رہا تھا۔ دروازہ بند ہوا تو آوازوں کا رستہ رک گیا۔

اندر کمرے کی ساری بتیاں خود بخود جل اٹھیں۔ وہ دونوں خاموش اور غیر آرام دہ سے کاؤچ پہ جا بیٹھے۔ میز پہ ہاشم کا لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ وہ آن تھا، مگر اسکرین اسٹینڈ بائی پہ تھی۔ سیاہ تاریک۔

''یہ کیا ہو رہا ہے بھائی؟''

''کوئی مسئلہ ہے ان کے گھر میں...'' اور تبھی وہ عجلت سے دروازہ کھولتا اندر آیا۔ سامنے میز کے کنارے آ بیٹھا۔ حنین کے بالکل سامنے۔ سعدی کو دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

''حنین، بچے، اب جو میں پوچھوں مجھے سچ سچ بتانا۔''

حنین نے ناسمجھی سے اسے دیکھا اور پھر سعدی کو۔

''جی؟''

''کیا تمہارا علیشا سے کوئی کانٹیکٹ ہے؟''

''نہیں۔''

''تم سچ کہہ رہی ہو؟'' ہاشم نے اس کو غور سے دیکھتے پوچھا تو حنین کے ابرو تن گئے۔

''میں آپ سے ڈرتی نہیں ہوں جو جھوٹ بولوں گی۔ نہ اس سے رابطہ رکھنے کے لئے مجھے آپ کی اجازت چاہیے۔''

''حنین۔'' سعدی نے اسے تادیبی انداز میں گھورا مگر وہاں کسے اثر ہونا تھا۔

''اوکے۔ مگر کیا تم جانتی ہو وہ ابھی کہاں ہے؟ یا معلوم کر کے دے سکتی ہو؟''

''مگر ہوا کیا ہے؟''

ہاشم نے گہری سانس لی' ترچھے ہو کر لیپ ٹاپ کی کیز کو چھوا۔ اسکرین روشن ہوئی۔

''شیرو تائیوان سے کوریا گیا تھا۔ واپس نہیں آیا۔ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے مجھے فیس بک پہ کسی اَن جان آئی ڈی کی جانب سے ویڈیو ملی ہے۔ اوان کے لئے۔''

حنین اور سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ نوشیرواں اغوا ہو گیا تھا اور ہاشم نے انہیں بلایا تھا؟

وہ اب ویڈیو کھول رہا تھا۔ اسکرین پہ ایک کمرہ تھا۔ لکڑی کا فرش، پیچھے سلائیڈنگ ڈور۔ کاؤچ۔ الماری۔ چھت۔ پیچھے نظر آتا ایک وائٹ بورڈ۔ وسط میں رکھی کرسی جس پہ نوشیرواں بیٹھا تھا' ہاتھ پیچھے بندھے تھے۔ بکھرے بال' روئی روئی آنکھیں۔ گردن جھکی ہوئی۔ کیمرہ آن ہوا۔ تو اس نے چہرہ اٹھایا۔ وہ شدید تکلیف میں لگ رہا تھا۔

''ڈیڈ.... بھائی.... یہ لوگ آپ کو ایک اکاؤنٹ نمبر اور ایک رقم ای میل کر رہے ہیں' اور....'' وہ رک کر کیمرے کی سمت دیکھنے لگا' جہاں سے اسے ہدایات مل رہی تھیں۔ یقیناً اغوا کار وہیں کھڑے اسے متنبہ کر رہے تھے۔ چہرے پہ خوف لئے شیرو تھوک نگلتا پھر سے کہنے لگا۔

''آپ چار گھنٹے کے اندر اندر یہ رقم بھجوا دیں' ورنہ یہ مجھے مار دیں گے۔ میں کوریا میں ہوں۔ اگر آپ میں سے کوئی گھر سے بھی نکلا یا یہاں آنے کی کوشش کی' یا کسی کو کال کرنے کی' تو یہ مجھے مار دیں گے۔'' آنسو خوفزدہ' ہراساں شیرو کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ سدا کا ڈرپوک شیرو بلی کا بچہ لگ رہا تھا۔

''بھائی پلیز' مجھے یہاں سے نکال لو۔ اور کسی کو فون مت کرنا۔ یہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ مجھے مار دیں گے۔ ان کے پاس آپ کے تمام نمبرز ہیں' یہ ہر چیز مانیٹر کر رہے ہیں۔'' اور اسکرین سیاہ ہو گئی۔

سعدی نے بے یقینی کے عالم میں سر اٹھایا۔ ہاشم تھکا تھکا اور پریشان نظر آ رہا تھا۔

''کیا آپ نے پولیس کو کال کیا؟ آپ کے تو کتنے ہی کانیکٹس ہوں گے ایجنسیز میں۔''

''کیا تھا۔ میرے لوگ کورین پولیس سے بات کر رہے تھے جب یہ دوسری ویڈیو موصول ہوئی۔ تمہیں کال کرنے کے دس منٹ بعد۔''

چند بٹن دبائے اور پیغام کھولا۔

وہی کمرہ اور ویسے ہی نڈھال' بندھا ہوا شیرو۔ البتہ اب اس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔

''بھائی' انہوں نے منع کیا تھا کسی کو کال کرنے سے' آپ لوگ کیوں ایسا کر رہے ہیں؟ مجھ سے کوئی محبت نہیں ہے آپ کو؟ ایک مانسٹر کو بھی اپنے بچے سے محبت ہوتی ہے۔ پلیز ان کو رقم دیں اور مجھے یہاں سے نکالیں۔ ورنہ یہ پہلے میرے کان کاٹیں گے' پھر انگلیاں۔''

ویڈیو ختم ہوئی اور ہاشم کے چہرے کی تکلیف بڑھ گئی۔ شیرو کا خون نکلتے دیکھنا بہت اذیت ناک تھا۔ حنین خاموش تھی اور سعدی ہکا بکا۔

''کیا وہ لوگ آپ کے فونز بگ کر رہے ہیں؟''

''میں نہیں جانتا مگر.....اب ہم کسی سے رابطہ نہیں کر رہے۔ میں نے سب کو منع کر دیا ہے۔''

''مگر.....'' سعدی بے چینی سے آگے ہوا۔ ''یہ خالی خولی دھمکی بھی تو ہو سکتی ہے۔ آپ خفیہ طور پہ کسی سے رابطہ کرنے کی کوشش.....''

''وہ میرا بھائی ہے' میں اس کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔''

''اور.....اس سارے معاملے میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟'' حنین پہلی دفعہ بولی۔ دیکھ وہ ابھی تک اسکرین کو رہی تھی۔ (اس لوزر کے کان کی جگہ بال کاٹ دیں وہ تو کتنا اچھا ہو۔ اونہوں نہیں۔ یہ تو آئینہ دیکھتے ہی مر جائے گا۔)

''مجھے شک ہے کہ اس میں علیشا ملوث ہو سکتی ہے۔''

''کبھی نہیں۔'' حنہ نے ناگواری سے اسے ٹوکا۔ ''وہ کمزور اور بزدل سی ہے۔ آپ کے بھائی کو اغوا' ناممکن؟''

''وہ کسی کے ساتھ مل کر یہ کر سکتی ہے۔ میں نے اس کی فیس بک پروفائل چیک کی تھی۔ دیکھو' اس نے کور فوٹو Seoul (کوریا کا ایک شہر) کی لگا رکھی ہے۔'' اس نے اسکرین پہ علیشا کی پروفائیل کھول کر دکھائی۔

''یہ اس نے کوئی چھے ماہ پہلے لگائی تھی اور وہ اس لیے کہ ہم کے ڈرامے اور کے پوپ کے شوقین ہیں۔ ہمیں کے کلچر پسند ہے' میری بھی پروفائل پہ یہی سب ہے' اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں کوریا میں ہوں اس وقت۔''

''مگر اس واہیے کی مجھے تصدیق کرنی ہے۔ اگر خاور ہوتا تو وہ یہ سب کر لیتا' مگر وہ دو روز قبل ہی اپنے کسی کام سے ملک سے باہر گیا ہے۔ میں اس کے بغیر بالکل مفلوج ہوں۔'' میز کے کنارے پہ بیٹھا' قدرے بے بسی سے کہتے ہاشم پہ سعدی کو ترس سا آیا۔

''ہاشم بھائی' ہم آپ کی ہر ممکن مدد کریں گے۔ آپ بتائیں' کیا کرنا ہے۔''

اس بات پہ حنہ نے گھور کر سعدی کو دیکھا' اور پھر ہاشم کو۔ وہ ابھی تک ناگواری محسوس کر رہی تھی۔

''او کے' حنین سنو۔ تم ہیکنگ جانتی ہو' تم نے ڈیڈ کو کئی دفعہ بتایا تھا۔ سو تم علیشا کی لوکیشن ٹریس کرو۔ ساتھ میں تم اس ویڈیو بھیجنے والے کی لوکیشن بھی ٹریس کرو۔ پھر اس فارن بینک اکاؤنٹ کو ٹریس کرو کہ یہ کس کے نام ہے' اور اس شخص کی تمام تفصیلات مجھے دو۔ ساتھ ہی شیرو کے موبائل کو ٹریس کرنے کی کوشش کرو کہ آخری دفعہ وہ کب اور کہاں استعمال ہوا تھا۔ فی الحال وہ بند ہے۔ کتنی دیر میں تم یہ سب کر سکتی ہو؟'' وہ سنجیدہ تھا اور حنین نے اتنی ہی سنجیدگی سے سر ہلایا۔

''دس سے بارہ منٹ میں۔''

''واقعی؟'' ہاشم تو ہاشم' سعدی کو بھی جھٹکا لگا۔

''شیور۔ یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ مگر آپ نے سیٹ نہیں لگایا ابھی تک۔'' معصومیت سے ادھر ادھر دیکھا۔

''کیا؟'' ہاشم سمجھا نہیں۔

''کیوں؟ ہم ہالی وڈ کے کسی سیٹ پہ ہیں نا' اور میں تو ہوں ہی Nolan Ross جو کھٹ کھٹ کر کے سب کچھ فٹافٹ ہیک کر لوں گی' اور دس منٹ میں مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

''حنین!'' سعدی نے اس کے جوتے پہ جوتا رکھ کر دبایا۔

''سوری ہاشم بھائی مگر نولن اور Huck جیسے Horribly Hillariuos Hackers صرف ہالی وڈ میں ہوتے ہیں۔ میں انٹرنیٹ سے کسی بینک کا مین فریم ہیک نہیں کر سکتی۔ نہ ہی ہم فیس بک میسج سے کسی کا آئی پی ایڈریس یا لوکیشن معلوم کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے ہمیں فیس بک کمپنی سے رابطہ کرنا ہوگا اور اس میں دو ماہ لگیں گے۔''

ہاشم لب بھینچے' سلگتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ (بدتمیز لڑکی)

''تو تم کیا کر سکتی ہو؟''

''ایسے مت دیکھیں مجھے۔ خاور بھی یہ نہیں کر سکتا۔ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کو ایک کیک چاہیے اور میں دیوار پہ لگے بیکری کے اشتہار کو پھاڑ کر اندر سے کیک نکال لوں' مگر اشتہار کے کاغذ کے پیچھے دیوار ہوتی ہے' بیکری نہیں۔ کیک نکالنے کے لئے ہمیں بیکری کا تالہ توڑنا پڑے گا۔ گھر بیٹھے یہ سب نہیں ہو سکتا۔''

''یعنی کہ تم کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔''

''خیر اب یہ بھی نہیں کہا میں نے۔ میں یہ کر سکتی ہوں کہ علیشا کو ای میل کرتی ہوں' اس کے جواب سے اس کی لوکیشن ڈھونڈتی ہوں۔ ساتھ اس ویڈیو بھیجنے والے کا اکاؤنٹ ہیک کرتی ہوں' شاید اس کے اپنے ان باکس سے کوئی سراغ مل جائے۔ کوئی فون نمبر' کوئی دوسرا ای میل ایڈریس۔''

ہاشم خوش نہیں تھا مگر اٹھ کھڑا ہوا۔

''او کے' تم کام شروع کرو۔''

''ابھی نہیں کر سکتی میں کچھ۔'' وہ اس کی بات پہ جاتے جاتے پلٹا۔ سعدی نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔ حنین نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

''اصل میں خالی معدے کے ساتھ میرا دماغ کام نہیں کرتا۔ بلکہ مجھے تو لگ رہا ہے کہ میرا شوگر لیول بھی لو ہو رہا ہے۔''

ہاشم نے گویا جھپٹ کر انٹر کام اٹھایا' اور ضبط کرتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔ ''میری' اوپر آؤ اور میڈم جو کہیں' ان کو پانچ منٹ میں بنا کرا لا دو۔ ہری اپ۔'' اور دھاڑ سے دروازہ بند کرتا باہر نکل گیا۔

''تم کچھ زیادہ ہی بدتمیز ہوتی جا رہی ہو۔'' سعدی نے واقعی غصے سے اس کا بازو جھنجھوڑا۔ ''ابھی پاپ کارن نہیں کھا کر آ رہی کیا؟''

''ایک تو اچھا بھلا سوپر جونیئر دیکھ رہی تھی' اوپر سے سردی۔ خواہ مخواہ مجھے اٹھایا وہ بھی اس انوکھے لاڈلے کے لئے۔ اب بھگتیں۔''

وہ ڈھٹائی سے شانے اچکاتی لیپ ٹاپ قریب کرنے لگی۔

چند منٹ بعد لیپ ٹاپ گود میں تھا' ایک ہاتھ میں جوس کا گلاس۔ سامنے پین پزا' کٹلس۔ ساس۔ فرنچ فرائز۔ منہ مسلسل چلاتے ہوئے' وہ کیز دبا رہی تھی۔ سعدی چپ چاپ اسے دیکھتا رہا' تو اس نے فرنچ فرائز کی پلیٹ بڑھائی۔

''کھائیں گے؟''

''ان کا بھائی اغوا ہو گیا ہے' سارا گھر پریشان ہے' اغوا کار پچاس کروڑ مانگ رہے ہیں' اور تم کھا رہی ہو؟''

حنین نے جوس کا گھونٹ بھرا' اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''پچاس کروڑ میں کتنے زیرو ہوتے ہیں؟''

''اُف....'' وہ کراہ کر اٹھا اور باہر نکل آیا۔ سیڑھیوں کے اوپر ریلنگ سے جھانکا۔ اورنگزیب پریشانی سے ماتھا مسلتے بیٹھے تھے۔

ہاشم ادھر ادھر چکر کاٹ رہا تھا اور جو اہرات ہذیانی انداز میں چلا رہی تھی۔ ''تم لوگ پیسے کیوں نہیں دے رہے؟ وہ شیرو کو مار دیں گے' ہاشم!''

آنسو اس کی آنکھوں سے ابلنے کو تیار تھے۔

''ہم پیسے دے دیں گے' بات پیسوں کی نہیں ہے ممی۔ مگر شیرو نے ان کی شکلیں دیکھ رکھی ہوں گی۔ کیا گارنٹی ہے کہ وہ پیسے لے کر اس کو چھوڑ دیں گے۔ ایسے لوگ تاوان لے کر مغوی کو مار دیا کرتے ہیں۔''

''تو تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟'' اورنگزیب بھی غصے سے بولے تھے۔

''ان کی لوکیشن' یا ان کے بارے میں کوئی معلومات۔ کوئی لیورتج ہونا چاہیے ہمارے پاس جس کے اوپر ہم ان سے شیرو کو زندہ سلامت واپس لیں۔''

جواہرات نفی میں سر ہلاتی ندھال سی بیٹھ گئی۔ ہاشم موبائل پہ نمبر ملانے لگا۔ سعدی افسوس سے واپس پلٹ آیا۔ اندر وہ صوفے پہ بیٹھی' ہاشم کے ہیڈفون چڑھائے' چپس کھاتے ہوئے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا کوئی نئی ویڈیو آئی ہے؟'' وہ تیزی سے لپکا۔

''اونہوں۔ میں اس کے اکاؤنٹ کو ہیک کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ چند گھنٹے لگیں گے۔ تب تک میں اس ڈرامے کی آخری دو قسطیں دیکھ لوں۔'' بڑے غور سے اسکرین کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ وہ جوش سے لپکا تھا' جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''پتہ ہے بھائی' اتنا مزے کا ڈرامہ ہے' 49 Days۔ اس میں جو ہیروئن ہے نا'....''

''یا اللہ۔ کب شمالی کوریا ایٹم بم بنائے گا اور کب اسے جنوبی کوریا پہ گرائے گا۔ کب جان چھوٹے گی اس ''کے'' کلچر سے۔'' وہ کراہ کر پیچھے کو ہو گیا۔ حنین کے ڈرامے سر چکرا دیتے تھے۔ وہ منہ بنا کر (ہونہہ....) پھر سے دیکھنے لگی۔

.....❖❖❖.....

ویران سرائے کا دیا ہے ..... جو کون و مکاں میں جل رہا ہے

اس رات بھی حوالاتی کوٹھڑی کی سلاخوں کا صرف کنارہ روشن تھا' باقی سب تاریکی میں ڈوبا تھا۔ ایک کونے میں فارس اور دوسرے میں احمر.... دور دور چت لیٹے چھت کو دیکھ رہے تھے۔ فارس روشنی والے کونے میں تھا' ٹیوب لائٹ کی مدھم سی کرن اس کی تاریک دنیا کو روشن کرنے کے لئے کافی تھی۔ اس کی کوشش کے باوجود احمر اس سیل سے نہیں گیا تھا۔ اب اس نے کوشش بھی ترک کر دی تھی۔

''فارس بھائی!'' اس نے ہلکے سے پکارا۔ چت لیٹے' چھت کو تکتے فارس کی پیشانی پہ بل پڑے۔

''کیا تمہیں کسی نے خاموش رہنا نہیں سکھایا؟''

''میں نے سیکھا ہی نہیں۔ ویسے کوئی سکھانے والا تھا بھی نہیں۔'' قدرے توقف کیا۔ ''آپ نماز پڑھتے ہیں؟''

''ہوں۔''

''وہ تو میں نے دیکھا ہی تھا۔ نماز میں بھی ساتھ والی کوٹھڑی سے کیا آوازیں آ رہی ہیں، سب خبر ہوتی ہے آپ کو۔''

''سب کو ہوتی ہے۔ اب سو جاؤ۔'' وہ بے زار ہوا۔

''سنیں نا۔ کیا ہمیشہ سے پڑھتے تھے؟''

''نہیں، جیل میں آنے کے بعد شروع کی۔''

''تو آپ کیوں پڑھتے ہیں نماز۔ اپنے سگے بھائی کے قتل کے الزام۔۔۔''

''وہ میرا سوتیلا بھائی تھا، اپنے فیکٹس درست رکھو۔''

احمر نے بہت حیرت سے اسے دیکھا۔ ''مطلب وہ آپ کو پسند نہیں تھا؟''

''صرف تمہاری غلطی درست کر رہا ہوں، زیادہ اسٹپنی نہ ہو (زیادہ چپکو نہیں!)۔''

''تو کیوں پڑھتے ہیں آپ نماز؟''

''مجھے خود نہیں پتہ'' وہ بہت دیر بعد بولا۔ ''کچھ دن پڑھتا ہوں جوش سے، پھر ڈھیلا پڑ جاتا ہوں، اور کئی دن یوں گزر جاتے ہیں جیسے اندھیری سرنگ میں ہوں۔ پھر کچھ دن پڑھتا ہوں۔ تب اپنا آپ بہت نیک لگتا ہے۔ ہلکا اور پارسا۔ مگر پھر ڈھیلا ہو جاتا ہوں اور یہ

نہ پڑھنے کا چکر کبھی ختم ہی نہیں ہوتا۔ چاہوں تو ہر وقت پڑھوں، میرے اندر بہت اسٹیمنا ہے۔ مگر میری نماز مجھ پہ کوئی فرق نہیں ڈالتی۔ میرا دل سخت ہو گیا ہے۔''

''اس نے بھی یہی کہا تھا۔'' چت لیٹے احمر نے ہولے سے کہا تو فارس چونکا۔

''کس نے؟''

''چڑیل نے۔ پچھلے سال آیا تھا میں، اورنگزیب صاحب کے کہنے پہ آپ کی پیشی دیکھنے۔ تب جب انہوں نے چڑیل کو گواہی کے لیے بلایا تو اس نے بھی یہی کہا۔''

''کون چڑیل؟''

''اوہو، پراسیکیوٹر زمر۔ گھنگریالے بالوں والی چڑیل۔'' فارس کے ابرو تن گئے، ناپسندیدگی سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''بکومت۔'' مگر اس نے نہیں سنا۔ وہ چھت کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''جب استغاثہ نے اس سے اس کی حالت کا پوچھا تو اس نے کہا میرے پاس کھونے کو کچھ نہیں بچا، میری نماز بھی نہیں۔ کیونکہ اب میں نماز کے آخر میں دعا نہیں مانگتی۔ میرے حادثے نے میرا دل، میری زندگی، میری نماز، ہر شے کو مردہ کر دیا۔''

فارس چپ رہا۔ چہرہ واپس پھیر لیا۔ نگاہیں چھت پہ جا ٹکیں۔

''میں بھی پانچ وقت کی نماز پڑھنا چاہتا ہوں، اچھی اور لمبی نماز، زندہ نماز، مگر مجھ سے یہ نہیں ہوتا۔ کیا کروں؟''

''پراسیکیوٹر سے پوچھو۔'' اس بات پہ احمر ہنسا۔ باہر پھیلی سرد رات ہر گزرتے پل سیاہ پڑتی گئی۔

''اچھا سنیں۔ آپ کا کیس کیسا جا رہا ہے؟'' احمر نے اس کے رخ کروٹ بدلی۔ وہ اس سے کافی فاصلے پہ کمر کے بل لیٹا چھت کو دیکھ رہا تھا۔ سفید کرتا اندھیرے میں بھی دمک رہا تھا۔

''ڈھائی سال میں تین پیشیاں ہوئی ہیں' کیسا جا رہا ہوگا؟''

''اوہ۔ میری تو چند دن میں چار ہو چکی ہیں۔''

''کیونکہ تم اورنگزیب کاردار کے آدمی ہو۔'' اس کے اندر تک کڑواہٹ پھیل گئی۔

''نہ کریں یار۔ کیوں ان سے اتنے خفا ہیں؟ وہ برے نہیں ہیں' بس اپنا فائدہ اوپر رکھا انہوں نے۔''

''اور وہ بھی تمہارے کہنے پہ۔'' تلخی سے نگاہ پھیر کر دور لیٹے احمر کو دیکھا۔ ''ویسے اب تک کیا کیا رپورٹنگ کر چکے ہو میرے بارے میں؟''

''ہاشم سے ملاقات ہی نہیں ہوئی دوبارہ' نہ کسی اور نے کچھ پوچھا۔ اگر پوچھے گا تو بتا دوں گا۔''

''کیا؟''

''اتنا ہی جتنا آپ کے بارے میں سارے جیل کو معلوم ہے۔ جھگڑے' پھڈے' وغیرہ۔'' وہ لاپرواہی سے ہنسا۔

''اور اگر میں کہوں کہ مجھے اس کیس میں بھی تمہارے سابقہ باس نے پھنسایا ہے تو ان کو بتا دو گے؟''

احمر ایک دم کہنی کے بل اٹھ کر بیٹھا' حیرت اور اچنبھے سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''کاردار صاحب نے؟ وہ کیوں پھنسائیں گے آپ کو؟''

'وہ نہیں۔ ہاشم۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ اس نے ہی یہ دونوں قتل کروائے ہیں' بس اتنا کہہ رہا ہوں کہ اگر وہ چاہتا تو آج میں باہر ہوتا۔''

احمر کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں فارس بھائی۔ جن دنوں آپ گرفتار ہوئے تھے' میں دن رات کاردار صاحب کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ واقعی آپ کے لئے پریشان تھے' مگر کچھ میری حکمتِ عملی اور کچھ ان کی اپنی سوچ تھی کہ انہوں نے آپ کے اوپر سے ہاتھ کھینچ لیا۔''

''الیکشن جیتنے کے بعد تو وہ میری مدد کر سکتے تھے نا۔''

''میرا خیال ہے' ان کی نظر میں آپ قصوروار تھے۔ ہاں مگر ہاشم نے تو آپ کے لئے بہت بھاگ دوڑ کی۔ میں ان دنوں وہیں تھا نا۔ ہاشم نے بارہا آپ کو بے قصور کہا' اور ان دنوں وہ آفس' جیل' کچہری کے چکر لگا لگا کر تکان کا شکار لگتا تھا مگر اس نے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ ٹھیک ہے آپ اس کو پسند نہیں کرتے' مگر اس کے بارے میں اتنا غلط مت سوچیں۔'' فارس کافی دیر خاموشی سے چھت کو دیکھتا رہا۔

''شاید تم درست کہہ رہے ہو۔ شروع میں اس پہ شک تھا مگر پھر اتنے سال اس بارے میں سوچا۔ ہمارے جائیداد کے جھگڑے اتنے بڑے نہیں تھے کہ وہ مجھے اندر کرواتے، جب کہ میں ان سے کچھ مانگ بھی نہیں رہا تھا۔ دوسرا ان کی میرے بھائی سے' بیوی سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ کوئی بھی چیز ان کی طرف اشارہ نہیں کرتی' مگر.....''

وہ لمحے بھر کو ٹھہرا۔ احمر دھیان سے اسے سن رہا تھا۔

''مگر آخری فتویٰ دل سے لیا جاتا ہے' اور میرا دل ہاشم کے لئے کبھی اچھا نہیں سوچ سکتا۔''

''آپ کو ان کے بارے میں نہیں' یہاں سے نکلنے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

''تو کیا کروں؟ جیل توڑ دوں؟۔'' وہ کوفت زدہ ہوا۔

''اچھا ایک بات تو بتائیں۔'' مگر فارس کو اب احساس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گیا ہے۔ فوراً کروٹ بدل لی۔

''چپ کر کے سو جاؤ۔ زیادہ اسٹپنی نہ ہو۔''

اس کے انداز پہ احمر نے منہ بنایا (ہونہہ) اور برے دل کے ساتھ واپس لیٹ گیا۔

''یونو.... میرے بھی کچھ پرزن رائیٹس ہیں' اور ان میں سب سے پہلی چیز صاف ستھری فضا کا ہونا، ہائی جین والی ڈائٹ کا ہونا، اور.....'' تھوڑی دیر بعد ''اسٹپنی'' پھر شروع ہو چکا تھا۔

.....❖❖❖.....

مگر یہ قتل کی سازش کہاں سے آ نکلی ..... وہ لوگ تو تھے میرے خاندان کے ہی

ہاشم کے کمرے میں سینٹرل ہیٹنگ سے کافی گرمائش تھی۔ حنین چپس کھاتے کمپیوٹر پہ کام کر رہی تھی۔ صوفے پہ پیچھے کو ٹیک لگائے سعدی کو نیند آنے لگی۔ مگر حنین کی آواز نے جگا دیا۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

''آئیں ان کی فوٹوز دیکھتے ہیں۔'' وہ دلچسپی سے کہتی ہاشم کے لیپ ٹاپ پہ فولڈرز کھولے جا رہی تھی۔ سعدی نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔ ''بری بات ہے حنہ' کسی کی ذاتی چیزیں نہیں دیکھتے۔''

''اوکے' آپ آنکھیں بند کر لیں۔'' اس نے پرانی تصویریں کھول لیں، ہاشم کی اسٹین فورڈ کے دنوں کی۔ تب بھی وہ ایسا ہی تھا' مگر ذرا ینگ۔ شہرین بھی ان میں تھی۔ کلاس فیلو تھی شاید۔ یا جونیئر۔

''یہ آج کہاں ہے؟''

''اپنی امی کے گھر۔ ہاشم بھائی نے بتایا ہے۔'' سعدی نے لبوں پہ مٹھی رکھ کر جمائی روکی۔ حنین تیز تیز تصویریں آگے کرتی جا رہی تھی۔ پھر وہ اس سے بھی بور ہو گئی اور واپس ڈرامہ لگا لیا۔ دفعتاً ہاشم کمرے میں داخل ہوا تو حنین نے جھٹ اسکرین پہ اصل کام والی ونڈو

مانے کرلی۔

''علیشا کا ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا۔ اغوا کار کا اکاؤنٹ ہیک کرنے میں ابھی کچھ اور گھنٹے لگیں گے۔'' اس نے اطلاع دی۔

ہاشم نے بس سر ہلایا اور الماری کی طرف آیا۔ سعدی یونہی گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ الماری سعدی کی پشت پہ تھی۔ ہاشم نے دروازہ کھولا تو خانے سامنے آئے۔ تیسرے خانے میں ایک ڈیجیٹل لاک والا سیف نصب تھا۔ ہاشم نے چند ڈیجٹ دبا کر سیف کا دروازہ کھولا، اندر کاغذات، چیک بکس، نوٹ، بہت کچھ نظر آیا۔ وہ چیزیں الٹ پلٹ کر کے کچھ ڈھونڈنے لگا۔ سعدی نیند میں ڈوبی آنکھوں سے اسے ہمدردی سے دیکھنے لگا۔

اس نے چیک بک نکالی اور کچھ پیپرز۔ اندر سیف میں ہر چیز بکھر چکی تھی۔ اور سعدی واپس گردن موڑنے ہی لگا تھا کہ، نگاہ میں کچھ الجھا۔ جیسے سیاہ رات میں کوئی انگارہ نظر آئے۔ مگر وہ بلاشبہ ایک دہکتا ہوا انگارہ تھا۔

سیف کی دیوار کے ساتھ ایک لفافے سے کچھ جھلک رہا تھا، ایک تصویر کی سفید پشت جس پہ سرخ اور نیلے ننھے ننھے انگوٹھوں کے نشان تھے۔ جیسے پینٹ میں ڈبو کر لگائے گئے ہوں۔ بس ایک جھلک دکھائی دی اور ہاشم نے سیف بند کر دیا، پاسورڈ دبا کر لاک کیا اور باہر نکل گیا۔

اور سعدی یوسف کی ساری دنیا وہیں ٹھہر گئی۔ نیند کھل چکی تھی۔ وہ سالوں بعد اب جاگا تھا۔

''حنہ۔۔'' اس کو اپنی آواز کنوئیں سے آتی محسوس ہوئی۔ ''تمہیں یاد ہے جب میں دادی کی ڈیتھ پہ آیا تھا پاکستان، وارث ماموں کی ڈیتھ سے چھے ماہ پہلے شاید۔ تب میں ان کی بیٹیوں کی ایک تصویر لایا تھا جس کی بیک پہ پینٹ میں ڈبو کر ان دونوں کے انگوٹھوں کے نشان ثبت کیے تھے؟''

''جی۔ وہ آپ نے وارث ماموں کو دے دی تھی۔ اور انہوں نے اسے اپنے لیپ ٹاپ کی الٹی طرف کارڈ ہولڈر میں ڈال دیا تھا تاکہ ان کے پاس رہے ہر وقت۔'' حنین مصروف سی کیز دباتی کہے جا رہی تھی۔ اس کو لگا وہ سانس نہیں لے پائے گا۔

''وہ۔۔ وہ تصویر اب کہاں ہوگی؟''

''کیا ہو گیا ہے بھائی؟'' وہ کھٹ کھٹ ٹائپ کرتی بولی۔ ''ماموں کے قاتل ان کا لیپ ٹاپ لے گئے تھے، اب تک تو انھوں نے وہ سب تباہ بھی کر دیا ہوگا، سنبھال کر تھوڑی رکھی ہوگی۔''

سعدی کی مری مری نگاہیں بند الماری پہ مرکوز ہوئیں۔ چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

''ہاشم اور میرے لیے کوشش کرے؟ ناممکن!'' کہیں ماضی سے فارس کی جھنجھلائی ہوئی آواز گونجی۔

''مجھے ہاشم پہ شک ہے۔ اسی کا ہاتھ ہوگا اس میں۔''

''ہاشم چاہتا تو میں باہر ہوتا۔ میں باہر اس لیے نہیں ہوں کیونکہ اس نے چاہا ہی نہیں۔''

''ماموں کہہ رہے تھے انہیں ہاشم بھائی پہ شک ہے۔ ماموں کو ایسا نہیں سوچنا چاہیے۔''

''میں فارس کی وجہ سے اپنی بیوی اور بچی کو وقت نہیں دے پا رہا۔''

''ہاشم کو میرے افیئر کے بارے میں پتہ چل گیا، دیکھو کیا کیا اس نے میرے ساتھ۔''

اس کو لگا اس کے ہاتھ کپکپا رہے ہیں۔ سردی بڑھ گئی تھی۔ وہ بالکل سن سا بیٹھا تھا۔ پلکیں بھی نہیں جھپک پا رہا تھا۔

''وہ تصویر... تمہیں واقعی یاد ہے حنہ کہ ماموں کے لیپ ٹاپ کے کارڈ ہولڈر میں ہی تھی؟''

''جی۔ مگر آپ کو کیوں خیال آیا اچانک؟'' وہ ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ سنبھل کر پھیکا سا مسکرایا۔

''یونہی۔تمہارا کام کہاں تک پہنچا؟''

''ہو رہا ہے۔ویسے آپ کو یہ بات عجیب نہیں لگی کہ نوشیرواں بھائی کا اغوا انہی دنوں میں کیا گیا جب خاور یہاں نہیں تھا۔اورنگزیب انکل نے بتایا تھا مجھے کہ خاوران کے آفس اور گھر کا کمپیوٹر جینیس ہے!ویسے یہ کاردارز کا کاروبار کیا ہے؟''

''یہ ایک کارٹیل کو ہیڈ کرتے ہیں۔''

''کارٹیل کیا ہوتا ہے؟''

''فضول سوال مت پوچھو تمہیں پتہ ہونا چاہیئے کیا ہوتا ہے۔''وہ ایک دم چڑ کر بولا۔دماغ اتنا الجھا ہوا تھا کہ حنین کی باتیں بے زار کر رہی تھیں۔اس نے جواب میں زور سے ہونہہ کہہ کر رخ پھیرا۔

''میری توبہ جواب آپ سے کچھ پوچھوں یا بتاؤں۔ہونہہ!''

ہاشم کے قدموں کی آواز آئی تو وہ ذرا سنبھل کر بیٹھا۔ہاشم اندر آیا۔وہی پریشان، ٹینس چہرہ لیے۔سعدی کے پیچھے آ کر الماری کھولی۔سعدی نے اب کے گردن نہیں موڑی۔سامنے ڈریسنگ مرر لگا تھا۔وہ آئینے میں ہاشم کو دیکھتا رہا۔اس نے سیف کا کوڈ دبایا۔چار ہندسے۔سعدی نے دماغ میں فیڈ کیے۔سیف کھلا تو اس نے کاغذات واپس رکھے اور اسے بند کیا۔پھر سے کوڈ دبایا۔سعدی نے اب کے پکا یاد کر لیا۔وہ اس کی تاریخِ پیدائش تھی۔

وہ چلا گیا اور سعدی کتنی ہی دیر حنین کے ساتھ خاموش بیٹھا رہا۔اس کا کام جاری تھا۔وہ بھائی کے چہرے کو دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔وہ بس چپ چاپ بیٹھا رہا۔کتنی ہی پرانی باتیں یاد آئیں۔امی کہتی تھیں، ہاشم کا وکیل کیوں ان کو ہر دفعہ ٹال دیتا ہے، کیوں وہ کچھ ٹھوس نہیں کر رہا، اور وہ ہر بات عدالتی نظام پہ رکھ دیتا۔تب آنکھوں پہ اعتماد کی پٹی بندھی تھی۔اب اس میں سوراخ ہو رہے تھے۔

کیا پتہ ہاشم نے وہ لیپ ٹاپ وارث کے قاتلوں سے حاصل کر لیا ہو اور وہ تصویر رکھ لی ہو مگر اس نے ہمیں کیوں نہیں بتایا۔کیا پتہ اس میں کچھ ایسا ہو جو فارس کے لیے نقصان دہ ہو۔۔مگر اس نے ہمیں کیوں نہیں بتایا...؟ ہر توجیح کے آخر میں وہ الجھ جاتا۔ہاشم نے کچھ سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہوشاید، کچھ تو سوچا ہوگا۔کیا پتہ یہ کوئی اور تصویر ہو، اس کی اپنی بیٹی کی، مگر نہیں، اس کی یادداشت بہت اچھی تھی۔یہ وہی فوٹو تھی۔

''میں ابھی آئی۔''حنین ایک دم اٹھی اور باہر چلی گئی۔اس نے کچھ نہیں پوچھا۔بس یونہی چپ سا بیٹھا رہا۔پھر ایک دم چونک کر سر اٹھایا۔۔

وہ کمرے میں اکیلا تھا۔گردن ادھر ادھر موڑی۔پھر آہستہ سے اٹھا اور الماری کی طرف آیا۔

اس کی تربیت، اس کا ایمان، سب کہہ رہے تھے کہ کسی کا لاکر کھولنا گناہ ہے مگر اس کا دل کہہ رہا تھا کہ آخری فتویٰ مجھ سے لو، میں کہتا ہوں ایسا کر ڈالو تو کر ڈالو۔اور دل سے بحث کا وقت ہی نہیں تھا۔اس نے جلدی جلدی کوڈ ڈالا۔لاکر کھولا۔تصویر والا لفافہ سامنے تھا۔سعدی نے کپکپاتے ہاتھوں سے فوٹو نکالی اور الٹائی۔

امل اور نور۔اس کے دل کو دھکا لگا۔یہ وہی فوٹو تھی۔ہاشم کو بچے پسند تھے۔وہ بچیوں کی تصویر تباہ نہیں کر سکا تھا۔

وہ جواب تک بے یقینی کے عالم میں تھا، ایک دم سے اس کی آنکھوں میں سرخی اترنے لگی۔لب بھنچ گئے۔مڑ کر دروازے کو دیکھا جس کے پار، نیچے لاؤنج میں ہاشم بیٹھا تھا۔ایک لمحے کو اس کا دل چاہا، ابھی جا کر اس کو گریبان سے پکڑے اور اس سے پوچھے کہ اس نے کیوں کیا ان کے ساتھ ایسا؟ اس کا اس سب میں ہاتھ تھا۔فارس ٹھیک کہتا تھا کیونکہ فارس اس کو جانتا تھا۔اور سعدی اس کو بالکل نہیں جانتا تھا۔

مگر وہ فارس نہیں تھا۔اس کو غصے سے بے قابو ہو کر ہاشم کا گریبان نہیں پکڑنا تھا۔اس کو کچھ اور کرنا تھا۔

اس نے وہ لفافہ نکالا۔اس میں مزید بھی کچھ تصویریں تھی۔وہ ان کو دیکھتا گیا اور دل ہر ایک پہ ڈوبتا گیا۔

وہ اس ریسٹورانٹ میں فائرنگ کے فوراً بعد کی تھیں۔ خون میں لت پت زمر' ابھی لوگ بھی اکٹھے ہونا شروع نہیں ہوئے تھے اور.....وہ اوپر سے لی گئی تھیں۔ اوپر ہوٹل کے کمرے کی کھڑکی سے۔

سعدی کی آنکھوں سے نیند اب تک بالکل غائب ہو چکی تھی۔ وہ ساکت' سانس روکے ایک کے بعد ایک تصویر دیکھ رہا تھا۔ اس نے سنا تھا۔ پیشہ ور قاتل اپنے شکار، اپنی مہارت کی تصاویر اپنے پاس سنبھال کر رکھتے ہیں، اور فخر سے اپنا بے عیب کام دیکھا کرتے ہیں، مگر اسے یقین نہ آیا تھا۔

لفافے کی آخری چیز ایک فلیش ڈرائیو تھی۔ سعدی نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس پہ کوئی ٹیگ نہیں لگا تھا۔۔۔

باہر نکل کر حنین نے ریلنگ کے اوپر سے جھانکا۔ ہاشم نیچے صوفے پہ بیٹھا' انگلیوں سے پیشانی مسل رہا تھا۔ سر اٹھایا تو حنہ نے اشارہ کیا۔ جواہرات مسلسل کچھ بول رہی تھی' اور نگزیب فون پہ بات کر رہے تھے۔ ہاشم اس کے اشارہ کرنے پہ اٹھ کر اوپر آیا۔ جس وقت سعدی لاکر واپس آ رہا تھا، وہ دونوں بند دروازے کے آگے کھڑے تھے۔

''نوشیرواں بھائی کا کمرہ کون سا ہے؟ مجھے چیک کرنا ہے کہ ان کا کمپیوٹر ہیک تو نہیں کیا گیا؟''

''لیپ ٹاپ تو وہ ساتھ لے کر گیا تھا' مگر وہ زیادہ ڈیسک ٹاپ استعمال کرتا ہے۔'' ہاشم ساتھ والے کمرے میں داخل ہوا' تو وہ پیچھے آئی۔ اس نے بتی جلائی' اور کمپیوٹر ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔ (عین اس وقت سعدی دیوار کے پار لاکر میں سے تصویریں نکال کر دیکھ رہا تھا)

''دیکھ لو جو دیکھنا ہے۔'' تکان سے اشارہ کیا۔ وہ فوراً آگے جا کر کرسی پہ بیٹھی' اسے آن کیا۔

''آخری دفعہ آپ کی کب بات ہوئی تھی ان سے؟ اغوا سے پہلے؟''

''اغوا سے شاید چھے سات گھنٹے پہلے بات ہوئی تھی۔ وہ Seoul میں تھا اور شاپنگ کر رہا تھا۔ خوش تھا۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔

''ہوں۔ اچھا اس کمپیوٹر کا پاسورڈ کیا ہے؟''

''پتہ نہیں۔'' ہاشم نے شانے اچکائے۔ تھکا تھکا سا وہ صوفے پہ گر سا گیا۔ دروازہ پورا کھلا تھا۔ نیچے سے جواہرات کے بولنے کی آواز نہ ہونے کے برابر آ رہی تھی۔

''او کے جو بھی ہے۔ اڑا دیتی ہوں۔'' ایڈمنسٹریٹر پہ پاسورڈ نہیں تھا' سو اس نے آسانی سے کمپیوٹر کھول لیا۔ اب وہ خاموشی سے کیز بورڈ پہ اپنا کام کرنے لگی۔

''کیا آپ لوگ پیسے دے رہے ہیں؟ میرا مطلب ہے ابھی آپ اپنے لاکر سے کچھ نکال رہے تھے۔''

''ڈیڈ دے رہے ہیں۔ پیسے شیرو سے بڑھ کر نہیں ہیں۔'' وہ بند آنکھوں کو مسل رہا تھا۔

''آپ کسی اور سے رابطہ کرنے کی کوشش تو کریں۔ کیا معلوم وہ آپ کے کمپیوٹرز اور فون ٹیپ نہ کر رہے ہوں۔ یہ صرف ایک خالی دھمکی ہو۔ آپ کے تو اتنے کانٹیکٹس ہوں گے۔''

''اونہوں۔ میں اپنے بھائی کی زندگی پہ رسک نہیں لوں گا۔ ایک دفعہ وہ واپس آ جائے، پھر میں ان لوگوں کو دیکھ لوں گا۔''

''آپ لکی ہیں۔ آپ کو اپنے بھائی کو بچانے کا موقع مل گیا۔ کاش ہمیں بھی ملتا' ماموں کو بچانے کا' تو ہم بھی ہر رقم دے دیتے۔'' وہ ٹائپ کرتی کہہ رہی تھی۔ دوسری جانب خاموشی رہی تو حنین نے گردن موڑ کر دیکھا۔

وہ صوفے پہ بیٹھا' اسے دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں اتنی بے بسی اور کرب تھا کہ حنہ کے دل کو کچھ ہوا۔

''سوری' میرا مطلب آپ کو دکھی کرنا نہیں تھا۔'' مگر ہاشم نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔

''آئی ایم سوری بچے۔ میری ہر اس چیز کے لئے جس نے تمہیں دکھ دیا ہو۔'' وہ ایک دم بہت ڈسٹرب نظر آنے لگا تھا۔ ''علیشا کا

معاملہ میں نے غلط طریقے سے ہینڈل کیا۔ پھر ابھی بھی میں تم پہ غصہ کر گیا۔ مجھے تمہارے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ آئی ایم سوری بیٹا۔'' آنکھیں بند کیں' انگلیوں سے پیشانی مسلتا رہا۔ حنین ہاتھ روک کر اسے دیکھے گئی۔

''میں نے جو بھی کہا، پریشانی میں کہا۔ میں اپ سیٹ ہوں۔ میرا بھائی مجھے بہت عزیز ہے۔ میں بہت اپ سیٹ ہوں۔'' اب وہ پھر سے بند آنکھوں کو مسل رہا تھا۔ حنین دم سادھے اسے تک رہی تھی۔ پھر ہاشم نے آنکھیں کھولیں۔ بہت امید' بے بسی اور آس سے اسے دیکھا۔ ''اگر خاور ہوتا تو میں کبھی ایک چھوٹی بچی سے درخواست نہ کر رہا ہوتا' مگر میں اس وقت بالکل مفلوج ہوں۔ حنین....'' مدھم' تھکی آواز میں وہ کہتا گیا اور وہ سانس روکے سنے گئی۔ ''تم کچھ بھی کرو' بس میرے بھائی کو اذیت دینے والوں کا پتہ کر دو مجھے۔ کر دو گی نا؟''

اس نے ہاشم کو پہلی دفعہ اتنا کمزور دیکھا تھا۔ اس نے شاید ہاشم کو دیکھا بھی پہلی بار تھا۔ اس طرح۔ اس نظر سے۔ اور یہ وہ لمحہ تھا جب ہاشم کے لئے حنین ذوالفقار یوسف خان کا دل پلٹ گیا تھا۔

اور یہ وہ لمحہ تھا جب متصل کمرے میں کھڑے، لاکر میں سے تصویریں نکال کر دیکھتے سعدی ذوالفقار یوسف خان کا ذہن ہاشم کے لئے پلٹ گیا تھا۔

ان دونوں کے احساسات سے بے خبر ہاشم اپنی کمزوری' اپنے بھائی کو کسی دوسرے کے ہاتھ پا کر' خود کو بہت بے بس محسوس کرتے ہوئے شیرو کے کمرے کے کاؤچ پہ نڈھال بیٹھا تھا۔

حنین نے آہستگی سے رخ پھیر لیا۔ اس کے اپنے ہاتھ ذرا سے کپکپائے تھے۔ پھر اس نے کچھ پیپرز پرنٹ کیے' کمپیوٹر آف کیا' اور صوفے کی طرف گھومی۔

''آپ پریشان مت ہوں۔ وہ علیشا نہیں ہے' علیشا ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔ وہ ایک کمزور لڑکی ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ آپ مجھ سے ایکسکیوز کریں، آپ بڑے ہیں، آپ نے وہی کیا جو آپ کو ٹھیک لگا۔ مگر ایک دفعہ آپ کو علیشا کے بارے میں سوچنا چاہیئے۔ اس کو پیسے دینے سے آپ کی دولت کم نہ ہو جاتی، جیسے اغوا کاروں کو دینے سے کم نہیں ہوگی۔'' مدھم سا کہہ کر وہ باہر نکل آئی۔ ہاشم نے معلوم نہیں سنا بھی تھا یا نہیں۔

وہ واپس کمرے میں داخل ہوئی تو سعدی نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ ہاشم کا لاکر کھولے کھڑا تھا۔ حنین کو پہلے تو جھٹکا لگا، پھر گڑبڑا کر جلدی سے دروازہ بند کرتی قریب آئی۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟''

''یہ فلیش چاہیئے تھی مجھے۔'' جلدی سے وہ لفافہ، جس میں وہ تصاویر ڈال چکا تھا، واپس رکھا، لاکر بند کیا اور اس کی طرف گھوما۔

'مجھے اس کو کاپی کرنا ہے۔ مت پوچھو یہ کیا ہے، بس میرے آفس کی چیز ہے۔ مجھے پتہ ہے یہ غلط ہے مگر تمہارے پاس کوئی ڈیوائس ہے جس پہ میں یہ کاپی کر سکوں؟''

حنین نے سر جھٹکا' اس ایک پرفسوں لمحے کا اثر زائل کیا' اور گہری سانس لے کر، مشکوک نظروں سے بھائی کو دیکھتی آگے آئی۔ ہاشم کی اسٹڈی ٹیبل کی دراز کھولی' ادھر ادھر ہاتھ مارا اور واپس مڑی تو ہاتھ میں یو ایس بی تھی۔

''کیا یاد کریں گے' کس سختی سے پالا پڑا تھا۔ کاپی کر لیں' کچھ دن بعد آ کر چپ چاپ رکھ دینا۔''

عام حالات میں اس چوری پہ ڈانٹ دینے والے سعدی نے چپ چاپ اسے لیپ ٹاپ میں لگا لیا۔

''اس میں ان کے کارٹیل کے کچھ ڈاکومنٹس ہیں۔ میرے پروجیکٹ کے لیے فائدہ مند ہیں''

''کارٹیل کیا ہوتا ہے؟'' وہ جو چپس اٹھا کر کھانے لگی تھی، رکی۔ پھر سر جھٹکا۔ ''خیر، نہیں بتانا بالکل بھی، اب آپ مجھے کچھ نہ بتایا

ا ہیں، میں بھی نہیں بتاؤں گی کچھ۔''

''سر نہ کھاؤ میرا۔ باہر جا کر مسز کاردار کے پاس بیٹھو۔'' وہ اس فلیش کو کاپی کر رہا تھا، جیسے ہی کام ختم ہوا، اس نے اصلی فلیش نکالی، ا ا ا ا ا اسے واپس لاکر میں رکھ دیا۔ جب پلٹا تو وہ ہنوز بیٹھی تھی۔ چپس اٹھا اٹھا کر منہ میں رکھتی ہوئی۔

''تم جاؤ بھی' اچھا نہیں لگتا' جب سے آئے ہیں ان کو ایک لفظ تسلی کا نہیں بولا۔''

''او کے!'' وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھتی اٹھی اور باہر آ گئی۔

ہاشم اب سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ حنین نے دروازہ بند کر دیا' اور اس کے ساتھ نیچے اتر آئی۔ جواہرات اور اورنگزیب مخالف صوفوں پہ ا ا ا سے بیٹھے تھے۔ پوری رات کی ذہنی اذیت نے تھکا دیا تھا۔

''ڈونٹ وری انکل' ایک دفعہ نوشیرواں بھائی بخیریت گھر پہنچ جائیں' تو میں رقم کو ٹریس کر لوں گی۔''

جواہرات نے تیز نظروں سے اسے گھورا۔ ''اور کیا اس میں اسی لڑکی کا ہاتھ ہے؟''

''نہیں' اس کے ہاتھ اتنے لمبے نہیں ہیں۔'' اس نے شانے اچکا دیے۔ پھر قریب سے گزرتی میری اینجیو کو روکا۔ ''سنو تمہارے فش ا ا ا تیار نہیں ہوئے ابھی تک؟''

''بس میں لا ہی رہی تھی۔''

''ویسے آج کل میں ایک کورین ڈرامہ دیکھ رہی تھی Days 49۔ اس کا ایک فلپائنی ورژن بھی عنقریب بننے لگا ہے' کیا تمہارے ملک میں بھی کے کلچر مشہور ہے؟''

''بہت زیادہ۔'' میری نے اس کو دیکھا' پھر سلگتی نظروں سے خود کو گھورتی جواہرات کو' اور جلدی سے وہاں سے کھسک لی۔

اندر بیٹھا سعدی اب ہاشم کے لیپ ٹاپ کو کنگھال رہا تھا۔ کچھ تو ملے گا۔ سرسری سا ایک ایک فائل کھولتا، وہ مایوس ہونے لگا ا ا ا ب۔۔۔ بالآخر چند ڈاکومنٹس ملے جن کے نام نہیں تھے، صرف نمبرز تھے اور وہ لاکڈ تھے۔ انہی میں کچھ تھا۔ اس نے ان کو کاپی کرنے کی ا ا ا ش کی مگر یہ ناممکن تھا۔ اب کیا کرے؟ اور تبھی اغوا کاروں کا اگلا پیغام آیا۔

پیغام پڑھ کر سعدی تیزی سے باہر ریلنگ پہ آیا۔ نیچے سب بیٹھے تھے۔ حنین بھی ٹانگ پہ ٹانگ رکھے، پاؤں ہلاتی، موبائل پہ بٹن دبا ا ا ی تھی۔

''ان لوگوں کا نیا پیغام آیا ہے۔ پیسے مل گئے ہیں' نوشیرواں چار سے پانچ گھنٹے تک پہنچ جائے گا مگر اس کے پہنچنے تک وہ نہیں ا ا ا ہتے کہ ہم کسی کو خبر کریں۔'' وہ لیپ ٹاپ لئے نیچے اترتے ہوئے بتا رہا تھا۔ فلیش جیب میں تھی' اور چہرے پہ گہری سنجیدگی تھی۔ ذہن ابھی ا ا ا الجھا تھا۔

سب خاموش رہے۔ سعدی' حنہ کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔ وہ لیپ ٹاپ گھٹنوں پہ رکھے' پھر سے کام کرنے لگی۔ چونکہ اسکرین حنین کی ا ا ا طرف تھی تو کانوں میں ائیر فونز لگا دیے اور ڈرامے کی قسط چلا دی۔

''اور شیرو کے آنے تک وہ لوگ بہت دور جا چکے ہوں گے۔'' اورنگزیب بے بسی بھرے غصے سے بڑبڑائے۔ جواب میں جواہرات ا ا ا ہاشم ایک ساتھ بولنے لگے۔ سعدی نے ہاشم کو دیکھا تو دل نرم پڑنے لگا۔ وہ اتنا پریشان اتنا ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا اور وہ اس کے بارے میں کیا ا ا ا ر رہا تھا؟ کیسے اس کے لاکر سے کچھ چرا کر لے آیا؟ کیسے کر دیا اس نے یہ سب؟ تبھی اسکرین پہ نظر پڑی۔

''ابھی تو تم کوئی اور ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔'' سعدی نے ہلکے سے سرگوشی کی۔ حنین ایک لمحے کو گڑبڑائی۔

''وہ.... یہ بھی میرا فیورٹ ہے' یونہی دوبارہ دیکھ رہی ہوں۔'' وہ خاموش رہا۔ الجھی ہوئی نگاہیں اسکرین پہ رہیں جہاں حنین مناظر

آگے آگے کر کے دیکھ رہی تھی۔

''آ.... ہاشم بھائی....'' کوئی گھنٹے بعد سعدی نے اسے پکارا۔ وہ جو درمیان میں اٹھ کر باہر چلا گیا تھا' شیرو کے آنے کی تیاری وغیرہ' ائیر پورٹ' فلائٹس ٹائمنگ چیک کرنے' اب آ کر بیٹھا تھا' ذرا چونک کر اسے دیکھا۔

''ہاں بولو۔''

''فارس ماموں کا وکیل کہہ رہا تھا کہ ہمیں اگر وارث ماموں کی فائلز مل جائیں تو کسی نہ کسی طرح ہم ان کے اصل قاتلوں تک پہنچ سکتے ہیں؟''

ہاشم ابھی تک شدید پریشانی کا شکار تھا' اس نے ذرا سے شانے اچکائے۔

''مشکل ہے' اب کہاں ملیں گی اس کی فائلز۔ اتنا عرصہ گزر گیا۔ تم کوشش کر لو مگر مشکل لگتا ہے۔ سمجھ رہے ہو نا؟''

''جی' بالکل' سمجھ رہا ہوں اب۔'' ذرا سا اثبات میں سر ہلایا' ہاتھ سے نامحسوس انداز میں جینز کی جیب کو چھوا جہاں فلیش موجود تھی۔ ہاشم اب موبائل دیکھنے لگا۔ اور سعدی گاہے بگاہے ایک سنجیدہ نظر اس کے چہرے پہ ڈال لیتا۔ بار بار وہ دل میں ہاشم کی طرف صفائی پیش کرتا تھا، وہ ساری صفائیاں دم توڑنے لگیں۔ رات کی تاریکی میں اس کے اعتماد کا خون بھی آہستہ آہستہ رسنے لگا، اور رس رس کر بالآخر اس نے اعتماد کے لاشے کو ادھ موا کر دیا

❖❖❖

اس کے اپنے گھر کا صفایا دن کو کیسے ہو پایا ..... وہ جو شب بھر شہر کی خود نگرانی کرتا رہتا ہے

صبح سورج نکلنے اور ہر سو روشنی پھیلنے تک وہ لوگ وہیں لاؤنج میں بیٹھے رہے۔ ناشتے کی ٹرالیز اب میری اور فیونا لے کر جا رہی تھیں جب بیرونی دروازے پہ ہل چل مچی۔ ہاشم شیرو کو ایئر پورٹ سے لے کر آ گیا تھا۔ جواہرات اور اورنگزیب تیزی سے اس کی طرف لپکے۔ سعدی ہنوز خاموش سوچ میں ڈوبا بیٹھا تھا' اور حنین' وہ جوس کے گھونٹ گھونٹ پیتی' تیکھی نظروں سے دونوں ماں باپ کو اپنے بیٹے کو گلے لگاتے دیکھتی رہی۔ وہ واقعی تکان کا مارا لگ رہا تھا' ماتھے کے زخم پہ بینڈ ایج لگا تھا۔ آنکھیں روئی روئی تھیں۔ زبردستی مسکراتا' ماں سے گلے لگ کر الگ ہوا تو ان دونوں بہن بھائی کو بیٹھے دیکھ کر چونکا' پھر فوراً ہاشم کی طرف دیکھا۔

''حنین کمپیوٹرز میں اچھی ہے' ہم ان لوگوں کو ٹریس کرنے کے لئے اس کی خدمات لے رہے تھے۔'' اس نے وضاحت دی۔

''تو کیا آپ نے پیسے واپس حاصل کر لئے۔'' وہ حیرت سے پوچھتا صوفے پر بیٹھا۔ اورنگزیب ایک طرف اور جواہرات دوسری طرف' بار بار نم آنکھوں کو پونچھتی۔ اورنگزیب گو کہ اپنے تاثرات کو سخت رکھ کر ہی بیٹھے تھے، مگر اندر سے وہ نرم پڑ چکے تھے۔

''نہیں!'' ہاشم مسکراتے ہوئے (بالآخر) اور واپس آتے اعتماد کے ساتھ سامنے والے صوفے پہ بیٹھا۔ ''ہم تمہارے آنے سے پہلے ان کا تعاقب کر کے تمہاری جان خطرے میں نہیں ڈال سکتے تھے۔ مگر حنین کہہ رہی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ٹریس کر سکتی ہے۔''

''تو کیا ان دونوں کو کال کرنے پہ انہوں نے مجھے یہ زخم دیا؟'' بگڑ کر کہتے اس نے پیشانی کے زخم کی جانب اشارہ کیا۔ اسے سعدی کا یہاں ہونا سخت ناگوار گزر رہا تھا۔ جواہرات نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں دبایا۔

''ہاشم نے تو بس یونہی ان کو بلا لیا....'' ساتھ ہی جتاتی نظر حنین پہ ڈالی اور پھر شیرو کے ماتھے کے بال ہٹا کر بینڈ ایج ٹھیک کرنے لگی۔ وہ ایک دم بہت خفا نظر آنے لگا تھا۔

''آپ لوگوں نے مجھے بچانے میں اتنی دیر کیوں لگائی؟ جانتے ہیں میرا کیا حال تھا ادھر؟ کتنا خوف میں نے محسوس کیا؟ کیا پیسے مجھ سے زیادہ اہم تھے؟''

''ایسا نہیں ہے شیرو۔'' اورنگزیب نے بھی ہولے سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ مگر اس نے کندھا جھٹک دیا۔ حنین نے جوس کا گلاس رکھا، اور کھنکھاری۔

''آپ نے ان کی شکلیں تو دیکھی ہوں گی نوشیرواں بھائی؟''

''ہاں!''

''چلیں یہ اچھا ہوا کیونکہ ویسے ان لوگوں کو ٹریس کرنا مشکل ہے۔ اصل میں' میری کوریا کے ایک پولیس چیف سے بات ہوئی ہے۔ (سعدی نے چونک کر حنہ کو دیکھا جو پورے اعتماد سے نوشیرواں کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔) ان کو دو لوگوں پہ شک ہے۔ یہ دونوں نامور مجرم ہیں' اور دونوں کل رات امریکہ منتقل ہو گئے ہیں' افسوس کہ اب نہ ہم ان سے رقم واپس لے سکتے ہیں' نہ ہی ان کو پکڑ سکتے ہیں۔ آپ بس ان دونوں کی تصویریں دیکھ کر کنفرم کر دیں کہ آپ کو پکڑنے والے گروہ کا سرغنہ کون تھا۔ حیران مت ہوں ہاشم بھائی، مجھ سے زیادہ کورین لوگوں کو کون جانتا ہے؟'' اس نے دو پرنٹ آؤٹ سامنے کیے۔ دو کورین مردوں کے کلوز اپ سب کے سامنے ہوئے۔

ہاشم بے چینی سے آگے ہوا۔ ''مجھے بتائے بغیر تم کیسے کسی سے بات کر سکتی ہو؟ اگر وہ شیرو کو نقصان پہنچاتے تو؟''

سعدی نے ایک چبھتی ہوئی نظر ہاشم پہ ڈالی۔ مگر بولا کچھ نہیں۔ کیا صرف شیرو کی جان اہم تھی؟ اور امل اور نور کے لیے کوئی اہم نہیں تھا؟

''بتاتی ہوں، پہلے شیرو بھائی کنفرم تو کر دیں کہ ان میں سے کون تھا وہ۔'' نوشیرواں نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے' پھر دائیں والے پہ ٹھہرا' آنکھیں سکیڑیں۔

''یہی تھا۔ بالکل یہی تھا۔''

''شیور!'' حنین نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''سو فیصد۔ مگر اب یہ کہاں ہوگا؟''

حنین نے گہری سانس لی' جیسے کندھوں سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔ اور پھر مسکرائی۔ شرارت سے' معصومیت سے۔

''یہ آج کل امریکہ میں ہے' فلم کی شوٹنگ کے لئے۔ اوہ سوری، شیرو بھائی' مگر یہ Lee Min Ho ہے۔ کوریا کا دوسرا بڑا ایکٹر۔ یہ پہلی تصویر اس کی پلاسٹک سرجری سے پہلے کی ہے' دوسری سرجری کے بعد کی۔''

کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ کسی کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ نوشیرواں کا رنگ سفید پڑنے لگا۔

''نوشیرواں بھائی' آپ خود بتائیں گے یا میں بتاؤں کہ اپنے آپ کو آپ نے خود ہی اغوا کیا تھا۔ اور وہ تاوان کی رقم' وہ بھی آپ کے ہی اکاؤنٹ میں ہے۔'' جواہرات کا شیرو کا کندھا مسلتا ہاتھ رک گیا۔ اورنگزیب بے اختیار آگے کو ہوئے، اور ہاشم بالکل ساکت بیٹھا رہ گیا۔

''کیا.... بک.... واس ہے؟'' شیرو ہکلایا۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

''سارے ذہین لوگوں کا ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ انہیں لگتا ہے کوئی ان کو بے وقوف نہیں بنا سکتا۔ اسی لئے میں نے اپنے شک کی تصدیق کا انتظار کیا۔ جو کہ اب ہو گیا۔'' تصویریں لہرائیں۔

''یہ مت کہیے گا کہ سارے کورین ایک سے لگتے ہیں تو آپ نے غلط بندے کی تصویر کی تصدیق کر دی۔ کورین بھی اتنے ہی مختلف ہوتے ہیں جتنے کہ ہم۔''

''تم.... کیا کہہ رہی ہو تمہیں خود بھی علم ہے؟'' جواہرات دانت پیستی غرائی۔ سعدی بالکل چپ بیٹھا تھا۔

''مجھے ہی تو علم ہے مسز کاردار۔ شیرو بھائی کبھی بھی اچھے کرمنل نہیں بن سکتے کیونکہ انہوں نے چند غلطیاں کر دیں۔ جو پہلی ویڈیو

بھیجی' تاوان کی رقم کے لئے' اور دوسری جس میں ماتھے پہ زخم تھا' دونوں میں ان کا رونا مجھے' سوری مگر اداکاری لگتا تھا' اور یونو' میں اتنے ملکوں اور کلچرز کے ڈرامے دیکھ چکی ہوں کہ اداکاری کو مجھ سے بہتر جج نہیں کر سکتے آپ لوگ۔ سو میں نے ویڈیوز کی تاریخ چیک کی۔ وہ دونوں تین دن پرانی تھیں' زخم والی بھی۔ شیرو بھائی کو اندازہ تھا کہ ہاشم بھائی اپنے جاننے والوں کو فون ضرور کریں گے اس لئے انہوں نے دو ویڈیوز تیار کر لیں۔ اغوا سے چند گھنٹے پہلے اگر ان کی ہاشم بھائی سے بات ہوئی تھی تو یہ ویڈیوز تو اس سے بھی پہلے کی تھیں۔ سو ظاہر ہوا کہ جعلی تھیں۔ مگر آپ کو یہ ویڈیوز کوریا میں تیار کرنی چاہیے تھیں' کیونکہ....'' ایک اور پرنٹ شدہ صفحہ لہرایا جس میں شیرو کی ویڈیو کا اسٹل امیج تھا۔ ''یہ جو آپ کے پیچھے دیوار پہ سوئچ نظر آ رہا ہے' یہ عام پاکستانی سوئچ جیسا ہے' جبکہ کوریا میں سوئچ کھوکھلے ہوتے ہیں' انڈے کے آدھے چھلکے کی طرح' پلگ ان کے اندر ڈالا جاتا ہے۔ یہ کورین سوئچ نہیں ہے۔ اور....'' ویڈیو کا ایک اور اسٹل امیج مسکراتے ہوئے سامنے لائی۔ ''چھت پہ کوئی فائر الارم نہیں ہے' جبکہ کورین گھروں میں چھت پہ فائر الارم ضرور ہوتا ہے۔ آپ نے لکڑی کا فرش' سلائیڈنگ ڈور' ہر چیز پرفیکٹ رکھی' مگر.... ایک سو گیارہ کورین ڈرامے اور فلمیں دیکھنا کوئی مذاق نہیں ہے۔ سو میں نے آپ کے کمپیوٹر کی ہسٹری چیک کی۔'' ایک اور کاغذ ان کے سامنے میز پہ رکھا۔ اب وہ کھڑے کھڑے، باقی کاغذ ہاتھ میں پکڑے بول رہی تھی اور سب اس کو سن رہے تھے۔ ہکا بکا۔

''پچھلے ہفتے میں یہ وہ تمام ویب سائٹس ہیں جو آپ نے کھولیں ''اپنا Fake اغوا کرنے کے طریقے'' وغیرہ وغیرہ۔ اور آپ نے وہ فیک کڈنیپ والے بہت سے امریکی ڈرامے اور فلمیں بھی دیکھیں' کیونکہ آج کل یہ امیر ماں باپ کے بگڑے بچے کا خود کو اغوا کر لینا ہر دوسرے امریکی ڈرامے میں ہو رہا ہوتا ہے' یہ رہے ان تمام ڈراموں اور فلموں کی لسٹ جو آپ نے ڈاؤن لوڈ کر رکھے تھے۔ اوہ ہاں' اور وہ اپنا کان کاٹ کر بھیجنے والا آئیڈیا.... وہ ''اسکینڈل'' سے تھا نا' اس میں ڈوئیل کی بیٹی نے تو واقعی اپنا کان بھیج دیا تھا' مگر مجھے معلوم تھا' اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ مگر آپ نے صرف وہ قسط ''دیکھی'' تھی، مجھے تو وہ ''ایک مانسٹر بھی اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے'' والا ڈائیلاگ بھی یاد تھا۔''

نوشیرواں دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا جیسے کچھ ڈس گیا ہوا سے۔ اورنگزیب کے لب بھنچ چکے تھے، کنپٹی کی نسیں ابھر آئیں، سرخ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ہاشم ابھی تک سن تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔ جھوٹ بولنا بند کرو۔ میرے ہی گھر میں تم میرے بیٹے کے بارے میں کیا بولے جا رہی ہو۔'' جواہرات غصے سے کانپتی آواز میں بولنے لگی۔ ''اگر ایسا کچھ تھا تو تم اسی وقت بتاتی۔''

''اگر میں یہ سب آپ لوگوں کو تب بتا دیتی تو آپ فوراً شیرو بھائی کو فون کر کے کنفرنٹ کرنا شروع کر دیتے اور یہ واپس ہی نہ آتے! اور ممکن تھا کہ میں ہی غلط ہوتی، تو مجھے تصدیق تو کرنی تھی نا۔ کیوں بھائی؟'' محظوظ ہونے والے انداز میں آنکھیں گھما کر سعدی کو دیکھا۔ وہ ہر شے سے بے نیاز' چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اسے کچھ بھی مزید حیران نہیں کر سکتا تھا۔

باقی سب بھی خاموش تھے۔ ہاشم بالکل شل' اورنگزیب ضبط کیے' اور جواہرات بے چین، کبھی ادھر دیکھتی کبھی ادھر۔ نوشیرواں کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ مگر وہ شاک سے نکل آیا تھا۔ بدقت کھڑے ہوتے اس نے چلانے کی سعی کی۔

''میں.... میں تمہارا منہ نوچ لوں گا' تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ مجھ پہ اتنے گھٹیا الزام لگانے کی....''

''تمیز سے بات کرو میری بہن سے۔'' سعدی ایک دم تیزی سے اٹھا۔ سلگتی نظروں سے شیرو کو دیکھا' اور پھر حنہ کو۔ ''چلو۔''

''ابھی سے کیوں؟ ابھی تو شیرو بھائی کی کلاس شروع ہونی تھی۔'' حنین نے منہ بنایا مگر سعدی دروازے کی طرف بڑھ چکا تھا، سو اس نے شانے اچکائے، نوشیرواں کو مسکرا کر دیکھتے بال جھٹکے' اور سعدی کے پیچھے ہو لی۔

''آپ لوگ چپ کیوں بیٹھے ہیں؟ اس پاگل کو کسی نے ٹوکا کیوں نہیں؟ میں اتنی تکلیف سے گزر کر آ رہا ہوں اور....'' نکلتے ہوئے انہوں نے نوشیرواں کو بھپر کر چلاتے سنا۔ مگر کسی اور کی آواز نہیں آئی۔ سب خاموش تھے۔

برآمدے میں آ کر سعدی نیچے چلا گیا تا کہ کار ادھر لے آئے۔ حنین ستون کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ باہر صبح تازہ دم سی اتر رہی تھی۔ ہوا [illegible] ی تھی' اور دھند بھی پھیلی تھی۔ حنین نے کوٹ کی ہڈ سر پہ گرا دی۔ تبھی عقب میں دروازہ کھلا۔ وہ چونک کر مڑی۔ ایک لمحے کو دل دھڑکا، کہ کہیں [illegible] ،،انی منہ نوچنے نہ آ گیا ہو۔۔ مگر۔۔

ہاشم آہستہ سے دروازہ بند کرتا باہر آیا۔ اس نے سوئیٹر تک نہیں پہنا تھا' باہر آنے کے باوجود اس کو سردی نہیں لگ رہی تھی۔ چہرہ سفید [illegible] ،،ان زدہ تھا۔

''تھینک یو بیٹا۔ تم دونوں کا کہ تم لوگ پوری رات ہمارے ساتھ رہے۔'' وہ کس دقت سے بول پا رہا تھا۔ حنین کو اندازہ تھا۔ اس کے [illegible] ل کو پتہ ہوا۔

''کوئی بات نہیں ہاشم بھائی۔'' شیرو سے آنکھیں گھما گھما کر بات کرتی وہ کوئی اور تھی اور یہ اتنی نرم کوئی اور تھی۔

''مجھے بتاؤ کس طرح تمہارے اس فیور کا بدلہ دے سکتا ہوں؟ کوئی چیز' کوئی کام' کچھ چاہیے تمہیں؟''

اپنے گرد بازو لپیٹے' ہڈ سر پہ گرائے حنہ نے نرمی سے مسکراتے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں' کچھ بھی نہیں۔ میں اپنے سارے مسئلے خود حل کر [illegible] لی ہوں یا اپنے بھائی کو کہہ دیتی ہوں۔''

''کبھی کبھی انسان اپنے بھائی کو بھی اعتماد میں نہیں لیتا' مجھے آج اندازہ ہوا ہے' اگر کوئی بھی ایسا مسئلہ ہو جو تم سعدی کو بھی نہ بتانا چاہو' [illegible] مجھے کال کر لینا۔ جیسے تم لوگ میری ایک کال پہ آئے ہو' میں بھی آؤں گا' او کے؟'' دھند آلود صبح میں پھر سے وہی فسوں چھانے لگا۔ دور کہیں [illegible] ں نے موسیقی کی تال چھیڑی تھی۔ بدقت وہ ہاشم پہ نگاہیں جمائے، مسکرا پائی۔

''او کے' لیکن اگر میرے کال کرنے پہ آپ نے پوچھا کہ کون حنین؟ تو؟''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' پھر وہ ٹھہرا۔ ''سنو، علیشا سے کہنا، مجھے کال کر لے۔ میں اس کی فیس کی رقم اسے بھجوا دوں گا۔''

وہ ایک دم چونکی۔ ''آپ۔۔ آپ اس کی فیس بھریں گے؟'' خوشی سے اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

''میں اتنا برا بھی نہیں ہوں جتنا تم مجھے سمجھتی ہو۔'' ستے ہوئے چہرے سے وہ مسکرایا۔

سعدی ہارن دے رہا تھا' وہ ہاشم کو خدا حافظ کہہ کر زینے اترتی نیچے آئی۔ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی۔ اپنی پرفارمنس یاد کر کے خود ہی [illegible] ی۔ ''کیا آپ نے دیکھا میں کس طرح بولی؟ تھوڑا سا دل دھڑکا تھا میرا' ہاتھ بھی کانپے مگر جب میں بولی تو واؤ... بالکل ہیروئن لگ رہی تھی [illegible] ں۔ اور پتہ ہے ہاشم بھائی کہہ رہے ہیں کہ وہ علیشا کی فیس۔۔۔'' سعدی خاموشی سے ڈرائیو کرتا کار آگے لے گیا۔۔۔

ہاشم برآمدے میں کھڑا انہیں دیکھتا رہا' سخت سردی اور دھند میں' یہاں تک کہ کار دور چلی گئی۔ پھر وہ واپس اندر آیا۔

''کیا یہ سب سچ تھا؟ تم نے اپنے باپ کو بے وقوف بنایا؟ تم.....'' اور نگزیب کھڑے چلا رہے تھے' جواہرات ہنوز پریشان، مضطرب [illegible] یلی تھی' اور نوشیرواں ان کے مقابل کھڑا تھا۔

''آپ لوگوں کو اس پاگل لڑکی کی بات پہ اعتبار ہے' وہ اور سعدی.... یہ لوگ ہمیشہ میرے گھر میں فساد کرتے ہیں' وہ سعدی تو..... ہاشم [illegible] بھائی' آپ نے اس کو دو تھپڑ کیوں نہیں لگائے جب وہ یہ ساری بکواس کر رہی تھی؟'' ہاشم کو آتے دیکھ کر وہ طیش سے چیخا تھا۔

خاموش ہاشم قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا' اس کے مقابل کھڑا ہوا' اندر تک اترتی نگاہوں سے اس کا چہرہ تکتا رہا' اور پھر..... ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ مارا۔

نوشیرواں لڑکھڑا کر پیچھے ہوا۔ حیرت سے گنگ' اس نے اپنے سرخ گال پہ ہاتھ رکھا۔

''کاش میں تمہارا نہیں سعدی کا بھائی ہوتا۔'' نہ غصہ' نہ ناراضی' صرف دکھ سے ایک ایک حرف ادا کیا' پیر سے میز کو ٹھوکر ماری' حنین

کے پرنٹ کردہ کاغذات بکھر کر زمین پہ گر گئے۔اور آگے بڑھ گیا۔نوشیرواں گال پہ ہاتھ رکھ' بے یقینی سے اس کو سیڑھیوں پہ اوپر جاتے دیکھنے لگا۔پھر رخ موڑا۔اورنگزیب سرخ چہرہ لئے اسے گھور رہے تھے۔

''ہاں کیا ہے میں نے یہ سب۔'' گال سے ہاتھ ہٹا کر وہ غصے سے چلایا۔''یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ایسے ہاتھ روک کر پیسے دیتے ہیں مجھے جیسے میں سوتیلی اولاد ہوں۔ہاں آپ کا بھی دل چاہتا ہے کہ میری جگہ یہ.....یہ.....'' دروازے کی طرف اشارہ کیا جہاں سے حنین نکلی تھی۔''یہ لڑکی آپ کی بیٹی ہوتی۔انہی لوگوں کی باتوں پہ زیادہ یقین ہے نا آپ کو؟ یہ سعدی زیادہ پسند ہے نا آپ تینوں کو؟'' لال بھبھوکا ہوتا بولتا وہ دو قدم پیچھے ہٹا۔آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''دفعہ ہو جاؤ میرے سامنے سے۔'' وہ بھی طیش سے چلائے تھے۔ہاشم نے گویا کان بند کیے اوپر اپنے کمرے میں قدم رکھا' اور دروازہ بند کر لیا۔شیرو نے بے بسی سے اس کے بند دروازے کو دیکھا' آنسو بہنا تیز ہو گئے۔وہ مڑا اور کف سے آنکھیں رگڑتا سیڑھیاں چڑھتا گیا۔اپنے کمرے میں آ کر دروازہ دھاڑ سے بند کر کے وہ کمپیوٹر ٹیبل کے سامنے آیا تو اسکرین کو دیکھ کر رکا۔بند اسکرین پہ ایک Sticky نوٹ چپکا تھا' جس پہ حنین نے لکھا تھا۔

''نقل کے لئے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔گیم اوور شیرو بھائی'' ساتھ میں زبان چڑاتی سائیلی بھی تھی۔اس نے نوٹ جھپٹ کر مٹھی میں مروڑا۔کف سے دوبارہ سے آنکھیں رگڑیں۔اب ان میں خون اتر رہا تھا۔اتنا لمبا ڈرامہ اور سب برباد گیا تھا۔

''آج پھر اسی سعدی نے اپنی بہن کے ذریعے میرے گھر میں فساد ڈالا۔میں قسم کھاتا ہوں' ایک دن میں سعدی یوسف کو اپنے ہاتھوں سے گولی ماروں گا۔'' اور ڈیڑھ سال گزر جانے کے بعد بھی نوشیرواں کو اپنی قسم یاد تھی۔

باہر اورنگزیب، جواہرات پہ چلا رہے تھے۔''ایک لفظ بھی اس کی حمایت میں بولا تو میں سمجھوں گا تم بھی اس کے ساتھ ملی ہوئی تھیں۔اپنے بیٹے سے کہو، صبح دس بجے تک میری ساری رقم میرے اکاؤنٹ میں واپس پہنچا دے ورنہ۔۔۔''

باہر سورج کی کرنوں نے دھند میں سے راستہ بنانا شروع کر دیا تھا۔یہاں سے دور، اس چھوٹے باغیچے والے گھر میں حنین سونے جا چکی تھی اور سعدی اپنے کمرے میں بیٹھا، لیپ ٹاپ پہ وہ فلیش لگا کر دیکھ رہا تھا۔اس میں وہی تصاویر تھیں جن کی پرنٹ شدہ شکل وہ لاکر میں دیکھ چکا تھا۔اور دو آڈیو فائلز تھیں۔ایک میں فارس کہہ رہا تھا کہ اب زمر ہوٹل کی بجائے ریسٹورانٹ آئے۔دوسری آڈیو طویل تھی۔

سعدی نے پلے کی۔پہلی دفعہ سنا تو وہ سن رہ گیا۔زمر ٹھیک کہہ رہی تھی۔فارس نے اسے واقعی یہ سب کہا تھا۔تو کیا ہاشم کی طرح فارس بھی اس سے جھوٹ بولتا آیا تھا؟

دوسری دفعہ اسے سنا تو مزید صدمہ لگا۔فارس یہ سب کیسے اور۔۔۔کیوں؟

تیسری دفعہ سنا تو بے یقینی گھبراہٹ میں بدلنے لگی۔کیا اس کے گرد سب جھوٹ بولنے والے موجود تھے؟ پھر سچا کون تھا؟

چوتھی دفعہ پہ کوئی عجیب سا احساس ہونے لگا۔کچھ غلط تھا۔چند الفاظ فارس اس طرح نہیں بولتا تھا۔وہ بار بار آڈیو دہرانے لگا۔اتنی دفعہ کہ اسے گنتی بھول گئی۔چہرے پہ بس ایک چونک جانے کا احساس نظر آ رہا تھا۔وہ فارس نہیں تھا۔بہت غور کرنے پہ اسے احساس ہوا تھا کہ لہجے میں ہلکا سا، بس ہلکا سا فرق تھا۔پہلی دفعہ سننے میں اسے بھی وہ فارس لگا تھا۔

اور زمر۔۔۔وہ چونکا۔۔۔زمر نے تو وہ آڈیو بس ایک ہی دفعہ سنی تھی! اوہ!

ڈھائی سال سے بکھرے ٹکڑے اب پزل میں جڑنے لگے تھے۔۔۔اور جو شکل سامنے آ رہی تھی وہ بہت بھیانک تھی۔

وہ ہاشم کی شکل تھی۔

.....❖❖❖.....

آج دوپہر کے سورج نے دھند کو بہت ہلکا کر دیا تھا۔ روشن دان سے روشنی جھلک کر کمرے کے وسط میں رکھی میز پہ گر رہی تھی جس کے ایک طرف فارس بیٹھا تھا' اور دوسری جانب سعدی۔ ساتھ میں فارس کا وکیل۔ وہاں اداس کر دینے والی خاموشی تھی جس میں پچھتاوے اور تاسف کی سی ویرانی بسی تھی۔ سعدی نے بہت دیر بعد جھکا سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی، اور بہت ساری شرمندگی۔

''آئی ایم سوری!''

''کس بات کے لئے؟'' غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھتے فارس کو اچنبھا ہوا۔

''آپ کو اتنا کم کم وزٹ کرنے کے لئے۔''

''کوئی بات نہیں' تم جاب کر رہے ہو' مجھے پتہ ہے۔'' اس نے سمجھنے والے انداز میں ہلکے سے کندھے جھٹکے۔ سعدی اس طرح اسے دیکھتا رہا۔ فارس سفید کرتے شلوار میں ملبوس تھا۔ ایک زمانے میں چھوٹے کٹے بال اب بڑھ چکے تھے، اتنے کہ انہیں کس کر پونی میں باندھ رکھا تھا۔ شیو ہلکی ہلکی بڑھی تھی، مگر دوسرے قیدیوں کی نسبت وہ کافی صاف ستھرا سا لگتا تھا۔

''اب اس آڈیو کا کیا کرنا ہے؟'' فارس نے وکیل کے موبائل کی طرف اشارہ کیا'' یہ میری آواز نہیں ہے، مگر مشابہت بہت زیادہ ہے۔ اگر میڈم نے یہی سنی ہے تو ان کو اب میں اپنی بے گناہی کا یقین کبھی نہیں دلا سکتا۔''

وکیل صاحب کھنکھارے۔

''ہم نے اسے ایک ایکسپرٹ کو دکھایا ہے، اس نے یہ ثابت کر کے بتایا ہے کہ یہ converted وائس ہے۔ جعلی ہے۔''

''ہم نے نہیں، میں نے۔'' سعدی نے تلخی سے ان کو دیکھا۔'' آپ تو اس کے پاس چلنے تک کو راضی نہیں تھے۔''

''میں ایک اور کیس کے سلسلے میں مصروف تھا۔ اور تمام قانونی پیچیدگیاں آپ کو سمجھا چکا ہوں۔'' اس سے پہلے کہ سعدی مزید تلخی سے جواب میں کچھ کہتا، فارس نے بے چینی سے اسے ٹوکا۔

''کیا ہم کورٹ میں یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ یہ میری آواز نہیں ہے؟''

''نہیں، جب تک کہ سعدی اس کا سورس ظاہر نہیں کرتا، کورٹ اس کو کیسے قبول کرے گا۔''

''محمود صاحب میں آپ کو کتنی دفعہ بتا چکا ہوں، یہ آڈیو مجھے میری پھپھو نے نکلوا کر دی ہے اور میں ان کا نام لے کر ان کو incriminate نہیں کر سکتا۔ اور میری اجازت کے بغیر آپ بھی یہ نہیں کر سکتے۔''

''بھئی پھر تو مسئلہ بن جائے گا! یہ ہمارے حق سے زیادہ خلاف جائے گی۔ میں اسے کورٹ میں پیش کرنے کی نصیحت کبھی نہیں کروں گا۔'' محمود صاحب ہاتھ جھاڑ کر پیچھے کو ہو بیٹھے۔ سعدی نے ایک تیکھی نظر ان پہ ڈالی، پھر واپس فارس کو دیکھا۔

''ماموں اگر میں آپ کے لیے کوئی فیصلہ لوں تو مجھے اپنی زبان دیں، کہ آپ اعتراض نہیں کریں گے۔''

''نہیں کروں گا، لیکن۔۔'' وہ اچنبھے سے بولنا چاہ رہا تھا مگر سعدی فوراً محمود صاحب کی طرف گھوما۔

''آپ کو میں فارس غازی کے وکیل کے منصب سے ہٹاتا ہوں۔''

وہ ایک دم سیدھے ہوئے، حیرت سے اسے اور پھر فارس کو دیکھا۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' ناگواری سے ماتھے پہ شکنیں ابھریں۔

''یہی کہ آپ یہاں سے جا سکتے ہیں۔''

''میں فارس غازی کا وکیل ہوں، آپ کا نہیں!'' وہ ایک دم چمک کر بولے۔ فارس چند لمحے چپ رہا۔ باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔

''میں سعدی کی تائید کرتا ہوں۔ آپ جا سکتے ہیں۔'' سعدی کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اس کا مان نہیں ٹوٹا۔ ابھی دنیا سے اس کے اپنے ختم نہیں ہوئے تھے۔

وہ جیسے بہت ضبط کر کے اٹھے۔

''انتہائی بچکانہ رویہ ہے یہ، پیشی سے چند دن پہلے آپ وکیل کو فارغ کر رہے ہیں۔ مجھے ہاشم کاردار نے ان کا وکیل مقرر کیا تھا۔''

''اور انہی سے وصول کیجئے گا اپنے بقایا واجبات کیونکہ میں تو آپ کو اپنے حلال رزق سے ایک پائی بھی نہیں دینے لگا۔'' بے نیازی سے انہیں باہر جانے کا رستہ دکھایا۔ وہ اپنی چیزیں سمیٹتے، کوٹ کا بٹن بند کرتے، منہ میں بڑبڑاتے باہر نکل گئے۔

''یہ سب کیا تھا؟'' فارس غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا؟''

''سعدی تم مجھے پریشان کر رہے ہو!'' وہ فکرمندی سے کہتا آگے ہوا۔ ''یہ آڈیو سن کر بھی زیادہ ری ایکٹ نہیں کیا میں نے، کیونکہ میرے لیے کچھ بھی پریشان کن نہیں ہے سوائے تمہاری شکل کے۔ ہوا کیا ہے تمہارے ساتھ؟''

جینز اور ہائی نیک کے اوپر جیکٹ پہنے بیٹھا لڑکا اداسی سے مسکرایا۔ ''میں ریشم کا بن چکا ہوں اور ریشم اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں آتی۔ مجھ سے آپ کچھ بھی نہیں اگلوا پائیں گے۔ اس وقت میرا کام آپ کو یہاں سے نکلوانا ہے، اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسا کروں گا۔ سوال مت کریں، وہ بتائیں جو میں نے پوچھا تھا۔'' اس نے یاد دلایا۔ ''جن لوگوں پہ آپ کو شک ہے ان کی فہرست بنائی آپ نے؟''

''ہاں لکھو۔'' وہ بتانے لگا اور سعدی پین نکال کر لکھنے لگا۔ کولیگز، وہ چند لوگ جن کے خلاف اس نے کیسز تیار کیے تھے، وارث کا باس۔ اور بس۔ سعدی نے بے چینی سے نظریں اٹھائیں۔

''ہاشم بھائی کا نام نہیں لکھوایا آپ نے؟''

فارس کچھ دیر سوچتا رہا، پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''اونہوں۔ اس کا تعلق نہیں ہے اس سب سے۔''

''مگر آپ نے خود کہا تھا کہ۔۔''

''میں نے ڈھائی سال اس بارے میں سوچا ہے، پہلے گرم دماغ سے، پھر ٹھنڈے دل سے، مگر ہاشم کے پاس یہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور اس نے میرے لئے بھاگ دوڑ بھی کی ہے کافی، سو میں بے شک اسے شدید ناپسند کرتا ہوں، مگر اس کو اس سب میں نہیں گھسیٹوں گا۔ یہ غلط ہے۔''

سعدی نے گہری سانس لے کر اس فہرست کو دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلایا۔

''بھول جائیں اس بات کو۔'' کاغذ مروڑ کر مٹھی میں دبا لیا۔ ''آپ کا اے ٹی ایم، کریڈٹ کارڈز اور چیک بکس ہاشم بھائی نے امی کو بہت پہلے دے دیے تھے۔ جیولری وغیرہ انہی کے اپنے پاس ہے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ نئے وکیل کے لیے آپ کے اکاؤنٹ کی رقم کافی ہوگی۔''

''جب اتنے سال میں کہتا رہا کہ ہاشم سے پیسے مت لو میرے وکیل کے لیے تب تم نے وہ نہیں کہا جو آج کہہ رہے ہو۔ اب کیا ہوا ہے؟'' وہ ابھی تک آنکھیں سکیڑ کر اس کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے ان پہ اعتبار نہیں رہا۔'' اس کی آواز میں تکلیف تھی۔

''سعدی کیا چھپا رہے ہو؟''

''سوال مت کریں۔ انتظار کریں۔'' اور وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ فارس متفکر نظروں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

باہر دھوپ اب تیز ہو چکی تھی۔ سڑک پہ معمول کی ٹریفک بہہ رہی تھی۔ کار ڈرائیو کرتے سعدی نے ہینڈز فری کانوں میں لگائے اور موبائل پہ نمبر ڈائل کیا۔ چند گھنٹیوں بعد ہاشم نے پک کر لیا۔

''ہاں بیٹا خیریت؟'' وہ مصروف لگ رہا تھا۔

''جی ایک کام تھا آپ سے۔'' یہ اتنے دن بعد پہلی دفعہ ہاشم سے بات ہو رہی تھی۔

''ہوں بولو۔''

''میں نے محمود صاحب کو فائر کر دیا ہے۔ اب مجھے ماموں کے لئے ایک بہتر وکیل کی تلاش ہے۔''

''کیوں؟ فائر کیوں کیا؟'' وہ چونکا تھا۔

''کیونکہ مجھے وہ سست اور نااہل لگتے ہیں۔ خیر' آپ مجھے پانچ چھے بہترین وکیلوں کے نام ٹیکسٹ کر دیں' جن کو مجھے ہائر کرنا چاہیے۔''

ہاشم چند لمحے کو خاموش ہو گیا۔ پھر بولا تو کافی سوچتے ہوئے۔ ''اوکے' کرتا ہوں۔ میرے ریفرنس سے ان سے مل لینا۔ کام ہو جائے گا۔ ویسے ساعت کے اتنے نزدیک آ کر وکیل کو فائر کرنا بے وقوفی ہے سعدی۔''

''اور یہ تو میں جان گیا ہوں کہ میں کتنا بے وقوف ہوں۔''

''کوئی مسئلہ ہے تو میں محمود صاحب سے بات کر لیتا ہوں، مفاہمت تو ہر ایشو پہ ہو سکتی ہے۔''

''مفاہمت کی ہی تو گنجائش نہیں رہی۔ آپ ٹیکسٹ کر دیجئے گا ابھی۔''

اور موبائل فرنٹ سیٹ پہ ڈال دیا۔ چہرے پہ چھائی تلخی میں اضافہ ہو گیا۔ لب بھنچ گئے۔ آنکھوں میں غصہ ابھرا۔ کتنے دن اس کے دل و دماغ میں جنگ جاری رہی تھی۔ ہاشم کے لئے کئی دلیلیں اکٹھی کیں مگر.... سب بے کار تھا۔ جب آنکھوں سے اندھے اعتماد کی پٹی اتری' تو ہر شے کو نئے زاویے سے دیکھنا شروع کیا۔ پہلے لگا' وہ صرف قاتل کو جانتا ہے' مگر اب آہستہ آہستہ احساس ہوا کہ وہی ہے جو فارس کو باہر نہیں آنے دے رہا۔ اگر ہاشم چاہتا تو فارس باہر ہوتا۔ فارس اور ندرت نے کتنی دفعہ یہ بات اس سے کہی مگر تب سمجھ کیوں نہیں آتا تھا؟ یہ اعتماد کتنی بھیانک شے تھا۔ اندھا کر دیتا ہے۔ بہرا، لنگڑا کر دیتا ہے۔

تبھی موبائل بجا۔ ہاشم نے چند نام اسے ٹیکسٹ کر دیے تھے۔ سعدی نے ان کو اچھے سے ذہن نشین کر لیا۔ یہ وہ وکیل تھے جن کو ہاشم چاہتا تھا وہ ہائر کرے، یعنی یہ وہ تھے جن کو ہاشم خرید سکتا تھا۔ اسے اب معلوم ہو گیا تھا کہ اس فہرست کے وکیل اسے بالکل نہیں ہائر کرنے۔ گڈ!

وہ جب زمر کے گھر کے گیٹ تک آیا تو وہ پورچ میں کار سے اتر رہی تھی۔ دروازہ بند کرتے وہ مڑی تو دیکھا' سعدی نے کار باہر روک دی تھی اور اب قدم قدم چلتا اس کی جانب آ رہا تھا۔ جینز پہ جیکٹ پہنے' چہرے پہ چھائی سنجیدگی' وہ قریب آیا تو احساس ہوا کہ وہ اس سے لمبا ہو گیا تھا' پتہ نہیں کب سے۔

''کیسے ہو؟'' اس نے سپاٹ آنکھوں اور بے تاثر لہجے میں پوچھا۔ وہ ''ٹھیک'' کہتا اس کے ہمراہ لان میں بچھی کرسیوں کی طرف آیا۔

''کچھ کہنے آیا ہوں آپ سے۔''

''مجھے فارس سے نہیں ملنا' نہ ہی اس کی صفائی سننی ہے۔'' وہ کرسی پہ بیٹھی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ بازو سینے پہ لپیٹے۔ بال ہاف کیچر میں بندھے تھے اور دھوپ کے باعث بے زاریت بھری آنکھوں کو سکیڑ رکھا تھا۔

''پھپھو.... ایک دفعہ دوسری طرف کی کہانی سن لیں۔'' وہ آگے کو ہو کر اس کے مقابل بیٹھا۔

''میں جج نہیں ہوں' نہ ہی اس کو سزا دے سکتی ہوں۔'' اس نے ذرا سے شانے اچکائے۔ ''میرے سننے کا کیا فائدہ؟''

''اگر... مجھ سے کوئی گلہ ہے تو کہہ دیں۔'' وہ ڈھائی سال سے بتانا چاہتا تھا' ایک دفعہ وہ گلہ کر دے' کہہ دے کہ اس سے بدتمیزی سے بات کرنے کے بعد وہ اس کو چھوڑ کر کیوں چلا گیا؟ سوری کیوں نہیں کہا؟ اس کے آپریشن کے وقت وہ کہاں تھا؟ کیوں اس کی ری کوری کے ان تکلیف دہ دنوں میں وہ اس کے پاس نہیں تھا؟ واپس کیوں نہیں آیا؟ مگر وہ کہتی ہی نہیں تھی۔ اب بھی نظر انداز کر گئی۔

''تم کیا کہنے آئے ہو؟''

''آپ سچ کہہ رہی تھیں۔ واقعی آپ کو کال کی گئی تھی۔ آپ نے جو بتایا واقعی ایسا ہوا تھا۔''

''اچھا! ڈھائی سال بعد یقین آ گیا تمہیں سعدی؟'' وہ سنتی گئی۔ آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر اسے دیکھتی۔ بازو ہنوز سینے پہ لپیٹے۔

''مگر وہ کنورٹڈ وائس تھی۔ جعلی آواز۔ یہ سنیں۔'' اس نے موبائل نکال کر پہ چند بٹن دبائے۔ آوازیں ابھرنے لگیں۔ زمر سیدھی ہوئی' آنکھوں میں تکلیف ابھری۔ بس چند فقرے وہ سن پائی۔

''بند کرواسے۔'' اور ناگواری سے چہرہ پھیر لیا۔

''کیا یہ سب اسی طرح ہوا تھا؟''

''میرے ہاں یا ناں کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ ڈھائی سال پہلے تم لوگوں نے کہا میں جھوٹ بول رہی ہوں، آج کہہ رہے ہو میں سچ بول رہی تھی۔ پانچ سال بعد کہو گے، یہ واقعی فارس کی ہی آواز تھی۔''

''آئی ایم سوری۔ جیسے آپ نے ہماری بات نہیں سنی' ویسے ہی ہم نے بھی آپ کی بات نہیں سنی۔ میں سمجھا آپ کسی کو کور کر رہی ہیں' مگر ایسا نہیں تھا۔''

''ڈھائی سال بعد میرا یقین کرنے کا شکریہ۔'' وہ سارا کرب ضبط کر چکی تھی۔

''لیکن آپ تیسری بات کا امکان ذہن میں رکھ کر سوچیں' پھپھو۔ یہ کال جعلی تھی۔ ہم کورٹ میں یہ ثابت کر سکتے ہیں۔''

''اور یہ تمہیں کیسے ملی؟''

''میں جواب دینے سے انکار کرتا ہوں۔'' وہ بے اختیار پیچھے ہوا۔

''اس صورت میں یہ میرے لئے قابلِ قبول نہیں ہے۔''

''اگر آپ اس میں لہجے پہ غور کریں تو محسوس ہوگا کہ....''

''جب یہ کال مجھے موصول ہوئی' میں ایک Sniper کے نشانے پہ تھی' مجھے لہجے اور آواز کے pitch پہ غور کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس آواز کے ساتھ میری زندگی کی سب سے تکلیف دہ یاد جڑی ہے۔ اس لئے کوئی آج آ کر کہہ دے کہ یہ جعلی ہے' تو میں کیسے مان لوں؟'' تیز لہجے میں کہتی وہ اس کوشا کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''ایک دفعہ سوچ کر دیکھیں۔ کوئی تیسرا آدمی بھی اس میں ملوث ہو سکتا ہے۔''

''مثلاً کون؟'' سعدی نے جواب میں تھوک نگلا۔

''مثلاً... مثلاً ہاشم کاردار۔'' ہمت کر کے اس نے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہو گئی۔

.....❖❖❖.....

''ہاشم کاردار؟'' زمر کوشاک سے نکلنے میں چند لمحے لگے اور پھر ایک دم آنکھوں میں ناگواری در آئی۔ ''اس کا نام کیسے لے سکتے ہو تم؟''

''وہ ان کے کزن ہیں۔ پھر جائیداد کے تنازعے! وہ فارس غازی کو اس میں پھنسا سکتے ہیں۔ اس سے ان کو فائدہ ہو گا۔ الاحسان نہیں۔''

''او کے' سعدی بہت ہو گیا۔'' ٹانگ پہ رکھی دوسری ٹانگ سیدھی کی اور درشتی سے کہتی آگے کو ہوئی۔ ''میں یہ ڈیفنس اسٹریٹجی بہت دفعہ ا ے میں استعمال کر چکی ہوں۔ جب اپنے دفاع میں کوئی بات نہ ہو تو کسی تیسرے شخص پہ شک دلوا دو۔ مگر کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟''

سعدی کی گردن نفی میں ہلی۔ (کیا اس آڈیو اور ان تصاویر کا ہاشم کے کمپیوٹر سے ملنا ایسا ثبوت تھا جسے وہ پیش کر سکے؟ ہرگز نہیں۔)

''پھر تم کیسے کسی پہ اتنا بڑا الزام لگا سکتے ہو؟ فارس کے خلاف میری گواہی کو چھوڑ دو تب بھی ثبوت ہیں۔ اس کی گن' اس کے فنگر ا ں۔ تم مجھے اس سے بڑے ثبوت ہاشم یا کسی اور کے خلاف لا کر دو' میں تمہاری بات سنوں گی' مگر اس سے پہلے نہیں۔'' تلخی سے بولتی وہ کھڑی ہو گئی۔ سعدی نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اکتائی ہوئی لگ رہی تھی۔

''تو آپ ڈھائی سال سے ہماری بات اس لئے نہیں سن رہیں کیونکہ ہم ثبوت نہیں دے رہے؟''

''اگر مجھے جھوٹا کہنے کی بجائے کچھ کہتے تو میں سنتی۔''

''آپ اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔'' سر ہلا کر وہ کھڑا ہوا۔ چند لمحے دونوں آمنے سامنے کھڑے رہے۔

'آخری بات، پھپھو۔'' وہ ذرا جھجکا ''مجھے کسی ایسے وکیل کا بتائیں' جو ہم افورڈ بھی کر سکیں' اور وہ ہمارے ساتھ مخلص بھی ہو۔ فارس ما ں لے لیے۔'' (اس کے سامنے اب وہ اسے ماموں کہنے سے دانستہ احتراز برتنے لگا تھا۔)

زمر نے سر جھٹکا۔ ذرا توقف کیا۔ تنے اعصاب ڈھیلے جیسے پڑے۔

''خلجی صاحب سے مل لو۔ نمبر اور پتہ ٹیکسٹ کر دیتی ہوں۔ ان کے پہلے تاثر پہ مت جانا۔ اچھے وکیل ہیں۔'' اور اسی طرح سینے پہ ا ا ہاتھ باندھ وہ مڑ گئی۔ اسے پیچھے آنے کا نہیں کہا۔ چاہے تو وہ اندر آ جائے، چاہے تو نہ آئے۔ سعدی یاسیت سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ ڈھائی سال سے وہ بس اس کی پھپھو تھی۔ زمر نہیں۔

اگر ایک دفعہ، ایک دفعہ وہ شکوہ کر دے تو وہ اسے بتا دے گا، یا شاید نہیں بتائے گا۔ بس ایک دفعہ.....

.....❖❖❖.....

جو زہر پی چکا ہوں تمہیں نے مجھے دیا ..... اب تم تو زندگی کی دعائیں مجھے نہ دو

چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج میں فل آواز کے ساتھ ٹی وی چل رہا تھا۔ ندرت کبابوں کی تکیاں بناتیں، بڑی ڈش میں رکھتی جا ا تھیں۔ ساتھ ہی صوفے پہ پیر اوپر رکھے حنین موبائل پہ نمبر ملا رہی تھی۔ بار بار کال ملاتی' پھر کاٹ دیتی۔ بالآخر اب ہمت کر ہی لی۔ دوسری ط ل گھنٹی جاتی رہی۔ پھر ندرت نے اسے کہتے سنا۔

''کیا میں علیشا سے بات کر سکتی ہو؟'' وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگیں۔

''میں حنین ہوں۔ حنہ۔ پاکستان سے۔'' وہ ذرا ہچکچا کر کہہ رہی تھی۔ ''علیشا میری میلز کا جواب نہیں دے رہی۔ وہ کدھر ہے؟ ا اصل مجھے اس کو کسی کا پیغام دینا تھا۔''

وہ اب بہت دھیان سے دوسری طرف کی بات سننے لگی تھی۔۔ بالکل چپ۔ خاموش اور ساکت۔ پھر بغیر کچھ کہے فون رکھ دیا۔

''کیا ہوا؟'' مگر حنہ نے نہیں سنا۔ چپ بیٹھی رہی۔۔

سعدی اندر آیا اور سلام کر کے ماں کے قریب صوفے پہ گر سا گیا۔ وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

''فارس سے ملے؟'' وہ امید سے پوچھنے لگیں۔

''جی اور پھپھو سے بھی۔'' وہ دور خلا میں دیکھتا اپنی سوچ میں گم تھا۔

''کیا وہ اب بھی تمہاری بات سننے کو تیار نہیں؟''

''ان کا قصور نہیں ہے۔ ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا۔''

''تم سے بھی وہی رویہ ہے؟''

''چھوڑیں امی۔'' وہ چہرے پہ بشاشت واپس لاتے سیدھا ہوا' اور ہاتھ بڑھا کر چنے کی دال اور گوشت کے پیسے مکسچر کو تین انگلیوں میں اٹھانا چاہا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ پہ چپت رسید کی۔

''ہزار دفعہ کہا ہے' مت کھایا کرو درمیان سے۔ بے برکتی ہوتی ہے۔''

مگر ندرت کی ڈھیٹ اولاد کو فرق نہیں پڑتا تھا۔ سعدی نے مکسچر منہ میں رکھا اور چباتے ہوئے پھر سے پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔ نئیں بدستور سر جھکائے بیٹھی تھی۔ دفعتاً ان کو خیال آیا۔

''سعدی... بیٹا وہ مرکز کے فرنٹ پہ جو بیکری ہے نا' وہ لوگ جگہ خالی کر رہے ہیں۔ کیوں نا ہم اس کو کرایے پہ لے کر کوئی کام شروع کر دیں؟''

''آپ نے ابھی تو اسکول کی جاب ختم کی ہے۔ اور آپ کی صحت بھی اتنی اچھی نہیں۔ کیوں خود کو ہلکان کرتی ہیں؟''

''خرچے بہت ہیں' اور تمہاری تنخواہ سے وہ نہیں پورے ہوتے۔ میں آج کل یہی سوچ رہی ہوں۔ بیکری کی جگہ کافی بڑی ہے۔ کپڑوں کا بوتیک شروع کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اگر فارغ بیٹھی رہی تو زیادہ بیمار ہو جاؤں گی۔''

سعدی نے ایک نظر ان کے ہاتھوں کو دیکھا جو مہارت سے کباب کو شکل دے رہے تھے۔ کچھ یاد کر کے وہ مسکرایا۔

''آپ ریسٹورانٹ کھول لیں امی۔ کسی کو کھانا کھلانے سے پیارا احسان کیا ہوگا بھلا؟''

''ریسٹورانٹ؟'' وہ سوچ میں الجھیں۔

''مگر پہلے کسی سے مشورہ کر لیجئے گا۔''

''کس سے کروں؟''

''کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے دو لوگوں سے مشورہ لیتے ہیں امی، ایک وہ جس نے اس کام میں فائدہ اٹھایا ہو، اور ایک وہ جس نے اس میں نقصان اٹھایا ہو۔'' پھر حنہ کو دیکھا جو ابھی تک شل بیٹھی تھی۔

''کٹو بیگم' ریسٹورانٹ بننے سے تمہارے تو دن پھر جائیں گے۔؟'' سعدی نے اسے آواز دی۔ اس نے سفید پڑتا چہرہ اٹھایا۔

''ہاشم بھائی سے بات ہو تو انہیں بتا دیجئے گا کہ اب علیشا کو ان کے پیسوں کی ضرورت نہیں رہی۔''

کچے کباب کا ٹکڑا اس کے حلق میں رہ گیا' وہ چونکا۔ ''کیوں؟ کیا ہوا؟''

''اس کو جب پیسے چاہیے تھے، تب انہوں نے نہیں دیے۔ پھر اس نے خود ہی حاصل کرنے چاہے۔'' وہ شاک کے عالم میں بول رہی تھی۔ ''اس نے کچھ دوستوں کے ساتھ مل کر چوری کرنے کی کوشش کی۔ وہ کمپیوٹرز میں اچھی تھی، اور قسمت میں بری۔ سب گرفتار ہو گئے۔ اب وہ جیل میں ہے، ایک لمبے عرصے کے لیے۔'' وہ بے یقین تھی' بالکل حق دق۔ پھر ایک دم اٹھ کر اندر چلی گئی۔ سعدی ابھی تک ساکت و جامد بیٹھا تھا۔ ندرت افسوس سے کچھ کہہ رہی تھیں مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

اور پھر جب شاک اترا تو ہر طرف تاسف چھا گیا۔

❖❖❖

انہی پتھروں پہ چل کر اگر آ سکو تو آؤ ..... مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

قصرِ کاردار میں ملازموں کی چہل پہل جاری تھی۔ سرما کی وہ دھند آمیز صبح باہر تک محدود تھی۔ اندر سینٹرل ہیٹنگ نے لاؤنج کو گرما رکھا تھا۔ نئی لڑکی فیونا ایک اِن ڈور گملے کو پانی دے رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر اورنگزیب کے کمرے کی سمت بھی دیکھ لیتی جہاں دروازہ ادھ کھلا تھا اور وہ آئینے کے سامنے کھڑے تیار ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ فیونا وہاں سے مکمل منظر نہیں دیکھ سکتی تھی' آوازیں بھی مدھم تھیں۔ مگر جھگڑے کی آواز بہرا بھی سمجھ لیتا ہے، وہ تو صرف زبان سے ناآشنا تھی۔

اگر اندر جھانکو تو سامنے کاؤچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر جواہرات بیٹھی تھی۔ سلگتی آنکھیں اورنگزیب کی پشت پہ جمی تھیں۔

''اگر تم ایک دفعہ شیرو کی بات سن کر۔۔۔''

''اپنے بیٹے کی سفارش مت کرو میرے سامنے۔ میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔'' وہ تلخی سے کہتے ٹائی کی ناٹ باندھ رہے تھے۔

''وہ کتنا ہائپر ہے' تم جانتے ہو۔ اس طرح کا رویہ رکھو گے' تو وہ گھر چھوڑ کر چلا جائے گا۔''

''تو چلا جائے۔ دو دن فٹ پاتھ پہ رہنا پڑے گا تو عقل آ جائے گی۔ اپنے باپ کو بے وقوف بناتا ہے۔''

''اگر وہ گیا نا اورنگزیب' تو اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔'' وہ بمشکل ضبط کر کے بولی تھی۔

''ہر شے کی ذمے دار تم ہو۔ تمہاری بے جا حمایت نے اس کو اس مقام پہ لا کھڑا کیا ہے۔'' کالر جھٹک کر کوٹ پہنا۔ تنفر بھری نگاہ آئینے میں پیچھے نظر آتی جواہرات پہ ڈالی اور پھر باہر نکل گئے۔ وہ وہیں بیٹھی کلستی رہ گئی۔

لاؤنج میں وہ لمحے بھر کو رکے۔ نوشیرواں سیڑھیوں کے وسط میں کھڑا تھا۔ خاموش' فکرمند سا۔ اورنگزیب نے اس پہ نظر ڈالی اور اتنی جلدی پلٹائی کہ جیسے کوئی ناگوار نظارہ سامنے ہو' مڑے، میری کو آواز دی، اور واپس کمرے میں چلے گئے۔ فیونا جلدی سے پانی رکھ کر میری کو بلانے بھاگی۔ شیرو وہیں زینے پہ بیٹھ گیا۔ گردن جھکالی۔ نہ پیسے ہاتھ میں رہے' نہ رشتے۔

''کتنے دن تک یونہی بیٹھے رہو گے؟'' شہرین سرسری سا پوچھتی، ہاتھ میں کٹے سیبوں کی پلیٹ پکڑے، اس کے ساتھ زینے پہ بیٹھی تو وہ چونکا' پھر دوبارہ سر جھکا لیا۔

''جب تک وہ مجھے معاف نہیں کر دیتے۔''

''تو تم ان سے معافی مانگ لو نا۔ سمپل۔'' ملازموں کی زبانی وہ سب سن چکی تھی۔

''کتنی دفعہ مانگ چکا ہوں' مگر جواب میں چیخ چلا کر مجھے دفعان کر دیتے ہیں۔''

''اور ہاشم؟'' اس نے پلیٹ سے پھل کا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

''وہ تو مجھ سے بات بھی نہیں کر رہے۔''

''اور تم نے اسی لئے اسے ایک دفعہ بھی مخاطب نہیں کیا؟ کھاؤ گے؟'' ساتھ ہی پلیٹ بڑھائی۔ نوشیرواں نے بے دلی سے منہ پھیر لیا۔ البتہ اب شہرین سے پہلے کی طرح بے زار نہیں رہتا تھا۔ صرف وہی تھی جس نے سارا قصہ سننے کے بعد اس سے ہمدردی جتائی تھی اور کہا تھا ''بھئی تم نے لالچ میں تو نہیں کیا نا، ایک ایڈونچر تھا یہ، اس میں اتنا ناراض ہونے والی کیا بات ہے؟'' اب بھی وہ کندھے اچکا کر کہہ رہی تھی۔

''یوں کرو' اوپر جاؤ' اور ہاشم سے معافی مانگ لو۔ بات ختم۔ اس کو صرف تمہاری معافی کا انتظار ہے۔''

''واقعی؟'' اس نے بے چینی سے شہرین کو دیکھا۔ تھپڑ پھر سے یاد آیا۔ بے اختیار گال پہ ہاتھ رکھا۔

''ہاں نا۔ وہ تم سے کبھی خفا نہیں ہو سکتا اور مجھے اپنا فون دے جاؤ۔''

''کیوں؟'' وہ فون دیتے دیتے رکا۔ شہرین نے موبائل اس کے ہاتھ سے اچک لیا۔

''وقت ضائع مت کرو' وہ آفس کے لئے نکل ہی نہ جائے۔''

''اچھا۔'' وہ فوراً اوپر آیا۔ تھوڑی دیر اس کے کمرے کے باہر رکا رہا، پیچھے سیڑھیوں پہ بیٹھی شہرین نے اس کے موبائل سے سعدی کا نمبر نکالا اور اپنے پہ منتقل کیا۔

شیرو نے بغیر کھٹکھٹائے دروازہ کھولا۔ ہاشم ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑا تھا۔ کوٹ ابھی اسٹینڈ پہ تھا' اور وہ کف لنکس پہن رہا تھا۔ آہٹ پہ گردن موڑی' اسے دیکھا اور واپس کف لنک پہننے لگا۔

''آؤ شیرو۔'' انداز نارمل تھا۔ نہ غصہ' نہ پیار۔ وہ سر جھکائے' لب کاٹتا قدم قدم چلتا قریب آیا۔ یہ اس دن کے بعد دونوں کی پہلی بات چیت تھی۔ یہ سوشل بائیکاٹ اس کے لئے بہت سنگین ثابت ہوا تھا۔

''بھائی۔ ابھی تک ناراض ہیں مجھ سے؟'' نگاہ اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ ہاشم نے ٹائی گردن میں ڈالی اور آئینے میں دیکھتے اس کی گرہ لگانے لگا۔

''کیا میں اسے معذرت سمجھوں؟''

نوشیرواں نے بے چینی سے چہرہ اٹھایا۔

''آئی ایم سوری بھائی۔ میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا۔''

''میں معذرت قبول کرتا ہوں۔ بھول جاؤ سب۔'' ٹائی کی گرہ باندھتے ہوئے بھی وہ نہیں مسکرایا۔

''آپ مجھ سے ابھی تک ناراض ہیں؟''

''نہیں۔'' اس نے ناٹ کسی' کالر درست کیے' اسٹینڈ سے کوٹ اٹھایا اور مڑ کر شیرو کو سنجیدہ نظروں سے دیکھا۔ ''ناراض نہیں ہوں' حیران ہوں۔ اس پہ نہیں کہ میں بے وقوف کیسے بنا۔ اعتبار کرنے والے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ اس پہ بھی نہیں کہ تم ایک کرمنل ذہن رکھتے ہو۔ بلکہ صرف اس پہ کہ اگر تمہیں پیسے چاہیے تھے تو تم میرے پاس کیوں نہیں آئے؟''

''ایڈونچر کرنا... چاہ رہا تھا... بس۔'' نوشیرواں نے شرمندگی و خفت سے گردن جھکا دی۔ ہاشم نے کوٹ پہنا' اور اسے دیکھتے ہوئے بٹن بند کیا۔

''تم شیرو میری ایک بات اپنے دماغ میں بٹھا لو۔ تمہارا بھائی تمہارے سب معاملے سنبھال سکتا ہے۔'' اس کے کندھے پہ سختی سے ہاتھ جمایا۔

تو نوشیرواں نے شرمندہ چہرہ اٹھایا۔ ''تمہیں پیسہ چاہیے' تم میرے پاس آؤ گے۔ تمہیں کوئی لڑکی چاہیے' تم میرے پاس آؤ گے۔ تمہیں کسی کی جان چاہیے' تم میرے پاس آؤ گے۔ مگر تم خود کچھ نہیں کرو گے۔ کبھی بھی نہیں۔ سمجھ آیا؟''

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ پھر قدرے جھجکا۔ ''وہ جو کہا آپ نے کہ کاش وہ.... وہ.... سعدی آپ کا بھائی ہوتا....''

''وہ ایک اچھا لڑکا ہے' رشتوں کا پاس کرنا جانتا ہے' وہ ہمارا تیسرا بھائی ہوتا تو مجھے خوشی ہوتی' مگر وہ نہیں ہے۔ اورنگزیب کاردار کے دو ہی بیٹے ہیں' میں اور تم۔ تمہاری نظر میں میری کتنی اہمیت ہے' مجھے واقعی نہیں معلوم' مگر میرے لئے تم اور سونیا برابر ہو۔''

''آپ کو پتہ ہے میں آپ سے کتنی محبت کرتا ہوں' کتنا احترام کرتا ہوں آپ کا۔''

''نہیں مجھے نہیں پتہ۔'' پرفیوم خود پہ چھڑکتے سنجیدگی سے کندھے اچکائے۔ شیرو روہانسا ہو گیا۔

''یہ سچ ہے۔''

''پھر اسے ثابت کرو۔ کیونکہ مجھے دوبارہ سے تمہارے تخریبی ذہن پہ اعتبار کرنے میں وقت لگے گا۔'' اس کے کندھے کو تھپتھپا کر وہ ہاتھ اٹھاتا باہر نکل گیا۔ اب بھی نہیں مسکرایا۔ نوشیرواں پریشان سا وہیں کھڑا رہ گیا۔

شہرین اب سیڑھیوں کے وسط میں کھڑی تھی۔ اسے آتے دیکھ کر راستہ دیا۔ ہاشم چند زینے اترا' پھر اس کے قریب رکا۔

''کچھ کاغذات پہ تمہارے دستخط چاہئیے ہیں، دوپہر میں آفس آجانا۔''

''میں خلع لے رہی ہوں' طلاق نہیں' چاہو تو یہ لمبی چوڑی رقم اور مراعات نہ بھی دو۔ ضرورت نہیں مجھے تمہارے پیسے کی۔''

''وہ باتیں مت کہو جن کا مطلب تم خود بھی نہیں جانتی۔ جو دے رہا ہوں' اپنی بیٹی کے لئے دے رہا ہوں۔ ماں سے الگ نہیں کر رہا تمہیں اس کو۔ اب ہٹو سامنے سے۔'' وہ مزید سرکی' اور ہاشم نیچے اتر گیا۔ وہ تلملاتے ہوئے اسے جاتے دیکھتی رہی۔ آنکھوں میں شدید غصہ اور بے بسی تھی۔

وہ ماں باپ کمرے کے سامنے رکا تو جواہرات ہنوز کاؤچ پہ بیٹھی کلس رہی تھی اور ڈریسر مرر کے سامنے کھڑے اورنگزیب میری اینجیو کو ہدایات دے رہے تھے۔ وہ چوکھٹ میں آرکا۔

''میں علیشا کی فیس پے کر رہا ہوں۔ کسی کو کوئی اعتراض ہو تب بھی مجھے کچھ کہنے کی زحمت نہ کرے، میرا دماغ آج کل بہت گھوما ہوا ہے۔'' اطلاع دی اور اسی سنجیدہ چہرے کے ساتھ مڑ گیا۔ جواہرات تلملا کر اٹھی، اورنگزیب نے اسے برہمی سے پکارا مگر وہ باہر جا چکا تھا۔ دونوں بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

باہر دھندا بھی تک چھائی تھی۔ وہ برآمدے تک پہنچا تھا جب خاور تیزی سے قریب آتا دکھائی دیا۔ وہ فکرمند لگ رہا تھا۔

''سعدی یوسف نے آپ کے کیے وکیل کو فائر کر دیا ہے۔''

''معلوم ہے۔''

''آپ اتنے بے فکر کیسے ہو سکتے ہیں؟''

''فکر کی کیا بات ہے؟'' وہ الٹا حیران ہوا۔ ''لوگ وکیل بدلتے رہتے ہیں۔ اگلا بھی ہمارا ہی ہوگا۔ نہیں تو جج تو ہمارا ہی ہے۔''

''مگر مجھے پریشانی ہے۔ ان لوگوں کو وہ آڈیو کہاں سے ملی؟''

''کون سی آڈیو؟'' وہ ٹھٹھک کر رکا۔ خاور نے محمود صاحب سے جو سنا تھا بتا دیا۔

''ہاں زمر ایسے کام کر سکتی ہے۔ وہ کہہ رہا ہے تو ایسا ہی ہوگا۔'' وہ کار کی طرف جا رہا تھا۔ خاور تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔

''کیا واقعی ایسا ہی ہے؟ ہو سکتا ہے وہ جھوٹ بول رہا ہو۔'' ہاشم رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''آپ نے اسے اور اس کی بہن کو اس رات اپنا لیپ ٹاپ دیا تھا' کہیں اس نے وہ آپ کے پاس سے تو نہیں نکالی؟''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ بے زار ہوا۔ ''وہ آڈیو میرے سیف میں ہے' میں نے دو دن پہلے ہی دیکھی ہے۔ لیپ ٹاپ میں میرے ڈاکومنٹس کا فولڈر لاک ہے' وہ دونوں اتنے بھی اسمارٹ نہیں کہ ہر چیز کھول لیں اور سعدی جھوٹ نہیں بولتا' جو کہہ رہا ہے وہی ہوگا۔ مگر جج ہمارا ہے' پھر کیا مسئلہ ہے؟''

''سر آپ کا اوور کنفیڈینس....'' وہ کہتے کہتے رکا۔ ہاشم نے ایک سخت کاٹ دار نظر اس پہ ڈالی' اور آگے بڑھ گیا۔ خاور نے بے چینی سے تھوڑی کھجائی۔ بظاہر ہاشم ٹھیک کہہ رہا تھا مگر پھر بھی اسے یہ لڑکا کچھ گڑبڑ لگ رہا تھا۔ خیر، ہاشم سعدی کو زیادہ بہتر طور پہ جانتا تھا یقیناً۔ وہ سر جھٹکتا، آگے بڑھ گیا۔

❖❖❖

ٹوٹے ہوئے مکاں ہیں مگر چاند سے مکین ..... اس شہرِ آرزو میں اک ایسی بھی گلی ہے

وہ ایک ابتر سا آفس تھا۔ فائلوں کے ڈھیر' بے ترتیب کتابوں سے بھرے ریک' اور میز پہ بکھرا اتنا کچھ' کہ اس سارے میں کرسی پہ بیٹھا سعدی بے حد بے بسی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے مقابل، آفس کے مالک کی کرسی پہ موجود ادھیڑ عمر صاحب نیچے جھکے دراز سے کچھ نکال رہے تھے۔ دفعتاً وہ سیدھے ہوئے۔ وہ اڑے اڑے کھچڑی بالوں' موٹی عینک اور شریف چہرے والے انسان تھے۔ سعدی کو ان پہ ترس، خود پہ رحم اور زمر پہ غصہ آیا جس نے اسے یہاں بھیجا تھا۔

سیدھے ہوتے ہی انہوں نے کچھ فائلز دھپ سے میز پہ رکھیں۔ نتیجتاً اوپر تلے رکھی سیاہ کتابیں دھڑام سے سعدی کی طرف لڑھکیں۔

وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہوا۔ ایک موٹی کتاب پیر پہ جا لگی۔ باقی دو گھٹنوں پہ۔ آؤچ!

''لگی تو نہیں؟'' انہوں نے ناک پہ عینک دھکیلتے پوچھا۔

''بالکل نہیں جی۔'' (میں کوئی انسان تھوڑی ہوں؟) وہ جھک کر ان کو سمیٹنے لگا۔ پھر میز پہ رکھیں' اسی بے چارگی سے خلجی صاحب کو دیکھا۔۔

''سر' آپ بے شک ابھی اپنے کام کر لیں' میں پھر آ جاؤں گا۔'' وہ کرسی کے کنارے پہ آگے کو ہو گیا۔ بھاگنے کو تیار۔

''نہیں نہیں' میں آپ کی بات سن رہا ہوں۔'' انہوں نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ ''کیس بھی دیکھ لیا تھا میں نے۔''

''تو پھر آپ یہ کیس لیں گے؟'' بے توجہی سے پوچھتے پیچھے کھڑی الماری پہ نظر ڈالی۔ شیشے کے دروازوں کے پیچھے کتابیں اور فائلیں بھری تھیں۔ اوپر تلے اڑسے کاغذ۔ بے ترتیبی سی بے ترتیبی۔

''دیکھو بیٹے' فارس غازی جیسے بندے کا دفاع کرنا آسان نہیں....''

''خیر ہے آپ رہنے دیں' میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔'' وہ شکر یہ کہتا جلدی سے اٹھا۔ بس بھاگنے کی دیر تھی۔ یہ اتنا بھی مروت میں بیٹھ گیا۔

اس آدمی کی تو عینک گم جائے یہ نہ ڈھونڈ سکے، فارس کو کیا خاک رہا کروائے گا۔ ''مجھے پتہ ہے' فارس غازی کا دفاع آپ کے لئے مشکل ہوگا' کیونکہ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ہی قاتل ہے' تو.....''

''نہیں۔ میرا خیال ہے وہ بے گناہ ہے۔''

وہ جو بس مڑنے ہی والا تھا' ایک دم ٹھہر کر انہیں دیکھنے لگا۔ ''جی؟''

''ہاں نا' گناہگار کا دفاع کرنا زیادہ آسان ہے۔ مگر بے گناہ کا کیس سوچ سمجھ کر لینا چاہیے۔ کیونکہ اگر ایک معصوم آدمی کا تم دفاع نہ کر سکے اور وہ جیل چلا گیا' تو وہ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔''

وہ آہستہ سے دوبارہ بیٹھا۔ آگے کو جھک کر۔ حیرت اور الجھن سے ان کو دیکھنے لگا۔

''آپ کو لگتا ہے کہ وہ بے گناہ ہیں۔ باوجود پراسیکیوٹر زمر کے بیان کے؟''

''پراسیکیوٹر صاحبہ نے تو یہ بیان دینا ہی تھا۔ وہ سرکار بنام سجاد راؤ کی پراسیکیوٹر جو رہی ہیں۔ ویسے مجھے بڑی حیرت ہے تمہارے پچھلے وکیل نے اس کیس کا ذکر نہیں کیا۔'' ابھی ابھی نکالے فائلز کے گٹھے کو اس کی طرف دھکیلا۔ اس سے قبل کہ کتابیں دوبارہ گرتیں' سعدی نے جلدی سے اسے واپس پُش کیا۔ البتہ وہ ان کے چہرے سے اپنی بے چین نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

''یہ کون سا کیس تھا؟''

''یہ وارث غازی قتل سے کوئی پانچ ماہ پہلے ختم ہوا تھا۔ میں اس میں ڈیفینس اٹارنی تھا' اور زمر صاحبہ پراسیکیوٹر۔ ایک آدمی نے اپنی بیوی پہ گولی چلائی' مگر ایسا کرنے سے قبل اس کے سامنے اعتراف کیا' اس کی پراپرٹی پہ قبضہ کرنے کا' اس کے ساتھ مزید کچھ زیادتیاں کرنے کا۔ موت سے بیوی بچ گئی' اور اس نے پولیس کو بتا دیا۔ سات ماہ زمر لگی رہیں' یہ ان کا پہلا کیس تھا' ریپو بھی بنانی تھی' بہر حال فیصلہ انہی کے حق میں آیا۔ میرا خیال ہے' جس نے بھی فارس کے بھائی اور بیوی کا قتل کیا ہے' اس کی ڈسٹرکٹ کورٹ کے کیسز پہ گہری نظر ہوگی' اسے معلوم ہوگا کہ انسان اپنی زبان سے کہی بات میں سب سے اچھا پھنستا ہے۔ پراسیکیوٹر صاحبہ ویسے بہت سمجھدار خاتون ہیں' لیکن وہ یہاں مار کھا گئیں' کیونکہ وہ اس طرح کا ایک کیس پراسیکیوٹ کر چکی ہیں۔''

''یعنی۔۔۔ زمر اپنے حملہ آور کی کال پہ اس لئے یقین کر رہی ہیں کیونکہ وہ آخری منٹ کے اعتراف کے ایسے ہی ایک کیس کو لے چکی ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ کوئی ایسا کرے۔'' ایک دم اسے محسوس ہوا کہ زمر نے اسے صحیح بندے کے پاس بھیجا ہے۔ (ان کے پہلے تاثر پہ مت جانا!)

''بالکل۔ ویسے لوگ یہ کرتے بھی ہیں۔ قتل بڑا بوجھ ہوتا ہے۔ انہیں کسی سے تو بانٹنا ہوتا ہے۔ بہت سے کیسز دیکھے ہیں میں نے' یہاں لوگ کسی کو مارنے سے پہلے اپنے پچھلے گناہوں کا اعتراف کر لیتے ہیں۔''

''مجھے پتہ ہے یہ سب کس نے کروایا ہے۔'' وہ ایک دم جوش میں بولنے لگا تو انہوں نے فوراً ہاتھ اٹھا کر روکا۔ ''شش شش۔'' وہ بے اختیار رک گیا۔

''کیا وہ لوگ طاقتور ہیں؟''

''بہت زیادہ۔'' اس کے گلے میں کچھ اٹکا۔

''اور کیا تمہارے علاوہ کوئی اور بھی جانتا ہے کہ وہی اصل قاتل ہیں؟''

''نہیں۔''

''تو پھر اپنا منہ سی لو۔''

''جی؟'' وہ دم بخود رہ گیا۔

''دیکھو بچے' تم ایک بااثر آدمی کو اس میں نہیں گھسیٹ سکتے۔ ایسا کرو گے تو وہ فارس کو جیل میں ختم کروا دیں گے' اور تمہیں جیل سے باہر۔ تم جس کو بھی ان کے نام بتاؤ گے ان کی زندگی خطرے میں ڈالو گے۔ تم ان کو گناہگار ثابت مت کرو' صرف فارس کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ ایک دفعہ وہ باہر آ جائے' پھر جو کرنا ہو کر لینا۔''

وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔ بات غلط نہیں تھی۔

''کیا ہم ان کو رہا کروا لیں گے؟''

''اگر جج ایماندار ہوا تو ہاں۔''

اور اتنے دنوں میں یہ پہلی امید کی کرن تھی جو اسے نظر آئی تھی۔ اندھیری رات کا پہلا تارہ۔ جو سورج نکلنے کی نوید ہوتا ہے۔ اب صبح تو صبح ہوگی۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

جس کو دیکھو' اس کے چہرے پر لکیریں سوچ کی ..... جیسے ہو جائے' مقدر کسی شے کا مقدر سوچنا

سعدی کورٹ سے واپس اپنے آفس کی طرف جا رہا تھا جب کسی اجنبی نمبر سے فون آنے لگا۔ اس نے ڈرائیو کرتے ہوئے

کال لے لی۔

''سعدی؟''

''جی....کون؟''

''شہرین بول رہی ہوں۔''اس نے موبائل کان سے ہٹا کر اسے گھورا۔

''کہیے' کیسے فون کیا مسز کاردار؟''

''کیا ہم مل سکتے ہیں؟ کسی ایسی جگہ جہاں میرے اور تمہارے گھر والوں کو علم نہ ہو!''

''جہاں تک مجھے یاد ہے میں تیئس سال کا ہوں اور آپ کم از کم بھی مجھ سے بارہ سال بڑی ہیں' تو۔۔''

''اوہ شٹ اپ، مجھے تمہارے ساتھ ڈیٹ پہ نہیں جانا' تم سے ایک کام ہے۔ مگر ہاشم کو پتہ نہ چلے۔''

''پھر ٹھیک ہے۔ پتہ ٹیکسٹ کرتا ہوں دوپہر میں آ جایئے گا۔''اپنی حیرت چھپاتے ہوئے اس نے فون کان سے ہٹایا۔ عرصہ پہلے شہرین نے اس سے صلح کر لی تھی، اس کو تب سے معلوم تھا کہ ایک دن یہ لڑکا اس کے کام آئے گا، اور وہ دن آن پہنچا تھا۔

.....❖❖❖.....

جو آگ لگائی تھی تم نے اس کو تو بجھایا اشکوں نے ..... جو اشکوں نے بھڑکائی ہے اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے

کچھ دیر بعد وہ سارہ کے آفس میں موجود تھا۔ وہ کرسی پہ براجمان' ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو پڑھ رہی تھی۔ پھر چہرہ اٹھایا اور تحمل سے اسے دیکھا۔

''یہ تمہاری اس ہفتے میں لی جانے والی دوسری لیو ہے۔ اگر میں یہ دے دوں' تو آفس کے باقی لوگ کیا خیال کریں گے؟''

''مجھے فارس ماموں کے کیس کے لئے کچھ اہم کام کرنے ہیں۔''

''وہ اتوار کو نہیں ہو سکتے کیا؟''

سعدی نے معصومیت سے سر نفی میں ہلایا۔''اتوار کو پاکستان میں چھٹی ہوتی ہے۔''

سارہ نے سمجھنے والے انداز میں اسے گھورا' پھر کرسی کی سمت اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گیا۔

''تمہیں اتنے اہم ادارے میں بطور ایک سائنسدان کام کرتے ہوئے اپنی ڈگری کی وجہ سے' مگر یہاں سب جانتے ہیں کہ تم میرے بھانجے ہو۔ اگر اسی طرح میں تمہیں فیورز دینے لگی تو تم یہاں اپنی عزت کھو دو گے۔ پہلے تاثر دائمی ہوتے ہیں سعدی!۔''

''مگر سچ نہیں ہوتے۔''وہ اداسی سے مسکرایا۔''خیر، آج کے بعد ایسا نہیں ہوگا۔ بس آج کے لئے....''

''صرف آج کے لئے۔''تنبیہی نظروں سے اسے دیکھ کر سارہ نے درخواست پہ دستخط کیے۔ پھر کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''آپ کیسی ہیں؟ بہت دن سے کام کے علاوہ آپ سے کوئی بات نہیں ہو سکی۔''اس نے دیکھا' سارہ کے چہرے پہ ملال بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔ نیلی آنکھوں اور نرم چہرے والی سارہ اب بھی پہلے کی طرح لگتی تھی' مگر بس صرف لگتی ہی تھی۔ ایک تکان' اداسی' ناامیدی اس کی آنکھوں میں آ کر ٹھہر سی گئی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے۔ میں' امی بچیاں' ہم سب ایک دوسرے کو سنبھالے ہوئے ہیں۔''ذرا توقف کیا۔''فارس کیسا ہے؟''

''بے گناہ آدمی قید میں رہ کر کیسا ہو سکتا ہے؟ بس' اور غم و غصے سے نڈھال۔ مگر ہم انہیں جلد رہا کروا لیں گے اور اصل قاتلوں کو سزا دلوائیں گے۔''

''اس سے کیا ہوگا سعدی؟ وارث واپس تو نہیں آئے گا۔''

اور وہ اس کے اسی فقرے کا انتظار کر رہا تھا' کہ ایڈووکیٹ خلجی سے ملاقات کے بعد اس کو اس سوال کا جواب مل گیا تھا۔

''ہم قاتل کو سزا مقتول کو واپس لانے کے لئے نہیں دیتے۔ بلکہ اس لئے دیتے ہیں تا کہ وہ کسی اور کو قتل نہ کرے۔ قصاص میں زندگی ہوتی ہیں' مقتول کی نہیں' بلکہ کسی اور کی۔ آپ کی' آپ کے بچوں کی' فارس غازی کی' یا شاید میری اپنی۔''

اب کے سارہ نے آنکھیں سکیڑ کر غور سے اسے دیکھا۔ کرسی پہ پیچھے کو ہوئی' ہاتھوں میں قلم گھماتے ہوئے کچھ سوچا۔

''تمہارا انداز پراسرار ہوتا جا رہا ہے۔''

''اونہوں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اب میں جاؤں؟'' اور وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ آخری دفعہ ہے' سعدی یوسف خان!'' اس نے درخواست کی طرف خفگی سے اشارہ کیا۔

''جی بالکل' اس ہفتے میں آخری دفعہ۔'' کاغذ اٹھایا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ سارہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی اور پھر سر جھٹک کر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اور جس وقت وہ وہاں سے نکل رہا تھا، اسی شہر میں کئی میل دور، ہاشم اپنے آفس میں موجود، فون پہ کہہ رہا تھا۔

''کیسی ہو بچے؟ تمہارا پھر سے شکریہ۔''

اپنے لاؤنج میں صوفے کے ساتھ کھڑی، لینڈ لائن فون کا ریسیور کان سے لگائے حنہ اداسی سے مسکرائی۔ ''اٹس او کے ہاشم بھائی۔ ویسے شیرو بھائی نے وہ ویڈیو شوٹ کہاں کی تھی۔''

''اس کا ایک کاپی ہے ابوبیہ میں، وہیں پہ.... خیر.... فارس کا کیس کیسا جا رہا ہے؟ اس آڈیو سے کوئی فرق پڑا یا نہیں؟'

''بھائی کہہ تو رہا تھا کہ فرق پڑے گا۔''

''ہوں، ویسے وہ کہاں سے ملی آڈیو؟'' بظاہر سرسری سا پوچھا۔

''زمر پھپھو نے نکلوا کر دی تھی، مگر.... یہ بات آپ کسی کو بتائیے گا نہیں۔ یہ فیملی سیکریٹ ہے۔'' اس نے مدھم سا کہا، وہی جو بھائی نے بتایا تھا۔ ''زمر پھپھو کو بھی نہیں بتائیے گا کہ میں نے بتا دیا ہے۔''

''یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے کیا؟'' وہ الٹا حیران ہوا۔

اس یقین دہانی پہ وہ مسکرا دی۔ ''ہاشم بھائی، آپ بہت اچھے ہیں۔''

''معلوم نہیں، خیر تمہیں ایک کام کہا تھا؟''

حنین کی مسکراہٹ سمٹتی گئی۔ آنکھوں میں گہرا کرب چھانے لگا۔ ''علیشا کو....'' اور جو سنا تھا بتاتی گئی۔ وہ دوسری جانب بالکل خاموشی سے سنتا گیا یہاں تک کہ حنین کو لگا، وہ وہاں موجود ہی نہیں ہے۔ ''ہاشم بھائی، کچھ تو بولیں؟''

وہ چپ رہا، بالکل چپ۔ حنہ کا دل ڈوبنے لگا۔ جیسے نیلے پانیوں میں بحری جہاز ڈوب جاتا ہے۔

''کیا آپ اتنا بھی نہیں کہیں گے کہ آپ کو افسوس ہے؟ کیا آپ کو ذرا سا بھی افسوس نہیں؟'' اس کی آواز بھرا گئی مگر ہاشم نے فون رکھ دیا۔ اس دن کے بعد سے وہ حنہ کے لیے ایفل ٹاور بن گیا۔ گو کہ اس نے چند منٹ انتظار کیا کہ وہ کال بیک کرے گا مگر نہیں، کوئی کال نہیں آئی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اب اگلے ڈیڑھ سال وہ اس سے سوائے دور دور سے خاندانی تقریبات پہ ملنے کے، بالکل نہیں مل پائے گی۔ اور یہ بھی کہ دوبارہ وہ ہاشم سے فون پہ بات ڈیڑھ سال بعد تب کرے گی جب وہ امتحانی مرکز میں چیٹنگ کرتی پکڑی جائے گی۔

اگر ہم سب کاہن (نجومی) ہوتے تو زندگی کا سارا تھرل ہی ختم ہو جاتا!

.....❖❖❖.....

خود کو بڑھا چڑھا کے بتاتے ہیں یار لوگ ..... حالانکہ اس سے فرق تو پڑتا نہیں کوئی

چھوٹے باغیچے والے گھر سے قدرے فاصلے پہ' مین روڈ پہ موجود وہ شاپ اس وقت رینوویشن کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ اندر مستری مزدور لگے تھے۔ پینٹ کی مہک' لکڑی اور سیمنٹ کا جا بجا بکھراوا' چیزوں کی اٹھا پٹخ۔ ندرت اس شاپ کو چھوٹا سا ریسٹورانٹ بنانے کی تیاریوں پہ نگرانی کر رہی تھیں۔ ساتھ ہی گاہے بگاہے کونے میں رکھی میز کی جانب بھی دیکھ لیتیں (جو آج ڈیڑھ سال بعد ریسٹورانٹ کے مرکزی سٹنگ ایریا میں شامل تھی) جہاں سعدی کے ساتھ ہاشم کی بیوی بیٹھی تھی اور وہ خاموشی سے اس کو سن رہا تھا۔ ندرت اس طرف نہیں گئی تھیں' سعدی نے بتایا تھا کہ فارس کے کیس کے سلسلے میں اسے شہرین سے کوئی کام تھا' تفصیل کو رہنے دیں اور ندرت نے پھر پوچھا نہیں۔

شہرین ہاتھ باہم پھنسائے' وقفے وقفے سے شانے جھٹک کر اور ابرو اچکا کر' مدھم بول رہی تھی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا آپ ہاشم بھائی سے اتنی عاجز ہیں۔''

''اتنی دیر سے بتا رہی ہوں' کس طرح وہ مجھ پہ ٹارچر کرتا ہے' شک کرتا ہے' مارتا ہے' اب بھی تمہیں لگتا ہے کہ مجھے عاجز نہیں آنا چاہیے؟'' ناگواری سے چیخ کر بولی۔ سعدی نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''تو اب کیا آپ ان سے انتقام لینا چاہتی ہیں؟''

''وہ بھی لوں گی' اپنے اوپر کیے گئے ایک ایک ظلم کا حساب لوں گی' لیکن ابھی میں کسی اور کام کے لئے آئی ہوں۔''

''میں ہاشم بھائی کا دوست ہوں' ان کے خلاف آپ میری مدد لیں گی' اتنا اعتبار کیسے ہے مجھ پہ؟''

''میرے تمام آپشنز میں تم سب سے زیادہ بھروسے کے قابل لگے مجھے۔ کسی پروفیشنل کو ہائر کیا تو وہ ہاشم کو بتا دے گا یا مجھے بلیک میل کرے گا۔''

''سو اس کا مطلب ہے آپ سے کچھ غلط ہوا ہے؟'' اس نے جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے شہرین کو دیکھا۔ اس کا رنگ بدلا۔

''ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک مسئلہ ہے جس میں مجھے ہاشم پھنسا سکتا ہے۔ اب تک تو تمہیں اندازہ ہونا چاہیے کہ وہ مجھے ذلیل کرنے کے لئے کسی حد تک جا سکتا ہے۔''

اور اندازہ تو سعدی کو ہو رہا تھا۔ اس نے پہلے اتنی لمبی رام کہانی صرف اس لئے سنائی تا کہ جو وہ آگے بتانے جا رہی ہے اس میں وہ خود بے قصور لگے۔ خیر وہ سنتا گیا۔

''ہماری طلاق کے بعد بچی کی کسٹڈی مجھے چاہیے اور مجھے ہی ملے گی لیکن اگر ہاشم کو میرے بارے میں کچھ بھی برا معلوم ہوا تو وہ سونی کو مجھ سے چھین لے گا۔ میرے کزن والی بات پرانی ہو گئی اور دب گئی۔ اب ایک اور مسئلہ ہے۔'' کہتے کہتے وہ ذرا رکی' بالوں میں ہاتھ پھیرا' انگلیاں مروڑیں۔

''آپ سے کیا ہوا ہے؟''

''گالف کلب میں کچھ عورتیں کارڈز کھیلتی ہیں' آئی سوئیر میں ان میں شامل نہیں تھی۔ میرا مطلب ہے وہ صرف ایک کارڈز گیم تھی' مگر میں نے کافی کچھ لوز کر دیا اس میں۔''

''او کے۔ پھر؟''

''ان کے پاس کوئی رجسٹر' کوئی کمپیوٹر کارڈ کچھ نہیں ہوتا' میں نے سارا پیسہ بعد میں پورا کر دیا' مگر اس شام کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کمپیوٹرز میں ہے۔ اور اگر کلب میں کبھی کسی نے وہ ہاشم کو دے دی' گو کہ وہ ایسا نہیں کرتے' مگر میں رسک نہیں لینا چاہتی۔ ہاشم کو نہیں معلوم میں کتنی بڑی رقم ہاری تھی۔ اس کو رقم سے فرق نہیں پڑتا' مگر ہاشم کا کردار کی بیوی gambling کرتے ہوئے دکھائی دے..... یہ ایک اسکینڈل

ہے،اس کی کتنی بدنامی ہوگی،اور کوئی بھی اسکینڈل مجھے میری بچی کی شکل دیکھنے سے تاعمر محروم کرسکتا ہے۔''

''آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟''

''تم اور تمہاری بہن ان چیزوں میں اچھے ہو۔کلب کے ریکارڈ سے اس دن کی فوٹیج غائب کردو،میں تمہیں کچھ بھی دینے کو تیار ہوں۔''

''اپنی بہن کو ایسے کلب میں لے کر نہیں جانے والا سو میری بہن کا نام آئندہ اس معاملے میں نہیں لیں گی آپ' مگر آپ کا کام کر دوں گا۔ڈونٹ وری۔''

''کیسے کرو گے؟'' وہ متعجب ہوئی۔

''یہ میرا مسئلہ ہے۔آپ بے فکر ہو جائیں۔ویسے،ہاشم بھائی جیسے شاطر آدمی کو دھوکہ کیسے دے لیتی ہیں آپ؟''

''ہر شخص کی ایک کمزوری ہوتی ہے،اس کی بھی ہے۔اسے لگتا ہے جن لوگوں سے وہ محبت کرتا ہے وہ اس کو کبھی دھوکہ نہیں دے سکتے۔جیسے اس کی فیملی،جیسے کبھی میں تھی،اور جیسے اب تم ہو۔وہ تم سے سچ میں بہت محبت کرتا ہے،کہتا نہیں ہے مگر اسے تم شیرو کی طرح ہی پیارے ہو۔'' سعدی نے (ہونہہ) سر جھٹکا۔شہرین گہری سانس بھر کر پیچھے کو ہو بیٹھی' چہرے پہ آئے بال پرے ہٹائے۔''اور تم جواب میں کیا لو گے؟''

''آپ کو ہاشم بھائی سے ان کے تمام ظلم وستم کا بدلہ لینا ہے نا؟ تو بس اس وقت کا انتظار کریں' جب ہم مل کر یہ کام کر سکیں۔''

شہرین نے الجھن سے اسے دیکھا۔''تم تو ہاشم کے دوست ہو۔ایسا کیا ہوا تم دونوں کے درمیان؟''

وہ مسکراتے ہوئے کرسی دھکیلتا اٹھا۔

''آپ کے برعکس' میرے آپشنز میں سب سے کم قابلِ اعتبار آپ ہیں۔''

شہرین نے شانے اچکائے۔وہ سعدی کی ہر بات سننے پہ مجبور تھی۔

.....❖❖❖.....

گئے تھے زعم میں اپنے پر اس کو دیکھتے ہی ..... جو دل نے ہم سے کہے تھے پیام، بھول گئے

یہ سرما کی ایسی سرد دوپہر تھی جب ذرا سی دھوپ روح تک کو نکور بخشتی۔ایسے میں عدالت کی عمارت کے گرد کہر کے دائرے میں دھوپ چھید کر کے چوری چھپے داخل ہوگئی تھی۔مگر کمرہ عدالت کے اندر شکوک شبہات نے ہنوز سب دھندلا رکھا تھا۔

جسٹس سکندر بغور وکیل دفاع خلجی صاحب کو بولتے سن رہے تھے جو کٹہرے میں کھڑی زمر سے سوال کر رہے تھے۔سامنے حاضرین کی چند کرسیاں رکھی تھیں۔بمشکل ڈیڑھ قطار بھر کرسیاں جو اس ٹی وی اور فلم سے یکسر مختلف اور بدصورت کورٹ روم کو مزید بدنما دکھا رہی تھیں۔کمرے سے باہر کچہری میں پھرتے بھانت بھانت کے لوگوں کا شور یہاں تک سنائی دے رہا تھا مگر وہ سب زمر کو سن رہے تھے۔سعدی خاموشی سے،اور فارس ناگواری سے۔دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔فارس کی تیوری چڑھی تھی۔آنکھوں میں زمر کو دیکھتے دبا دبا غصہ تھا۔سفید کرتے کے کف' کلائی پہ موڑ رکھے تھے،اور بال پونی میں بندھے تھے۔

البتہ سعدی بالکل چپ چاپ تھا۔ریشم بننے کے بعد کا نرم مگر بے لچک سا....

زمر بھی اتنی ہی بے لچک لگ رہی تھی۔سفید لمبی قمیص' اوپر بلیک منی کوٹ۔دوپٹہ شانوں پہ' اور اعتماد سے اٹھی گردن۔وہ زمر ہی لگ رہی تھی۔اور صرف خلجی صاحب کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ دیکھ چکی ہیں کہ کس طرح ابھی ایک ایکسپرٹ witness (ماہر گواہ) نے یہ ثابت کر کے دکھایا ہے کہ اس ریکارڈنگ میں

موجود فارس غازی کی آواز اصلی نہیں ہے۔''

''الفاظ وہی ہیں جو میں نے سنے تھے۔ ریکارڈنگ کے بارے میں عدالت درست فیصلہ کر سکتی ہے۔ ہوسکتا ہے ریکارڈنگ سے اصل آواز نکال کر جعلی ڈالی گئی ہو تا کہ عدالت میں اپنی مرضی کی بات ثابت کی جاسکے۔ آفٹر آل' اس ریکارڈنگ کا سورس غیر تصدیق شدہ ہے۔'' ذرا سے شانے اچکائے۔

''یہ فیصلہ عدالت پہ چھوڑ دیا جائے تو بہتر ہے۔'' خلجی صاحب نے اس کو بے اختیار ٹوکا۔ پھر کٹہرے کے مزید قریب آئے۔ ''کیا آپ اب بھی اپنے بیان پہ قائم ہیں؟''

''جو جس طرح ہوا' جو میں نے سنا' میں نے کورٹ اور پولیس کو بتا دیا۔ فیصلہ کرنا میرا کام نہیں ہے۔'' وہ بے تاثر اور مطمئن کھڑی تھی۔

''اور جب آپ نے سن لیا تھا کہ ایک شخص آپ کو قتل کرنے جا رہا ہے تو آپ بھاگی کیوں نہیں؟''

''وہ میرا اسٹوڈنٹ تھا' میرا رشتہ دار تھا' مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ مجھے مارے گا۔ میں اسے خالی دھمکی سمجھی تھی۔''

''مگر بعد میں آپ کو یقین آ گیا؟''

''مجھے تین گولیاں لگی تھیں' میرے سامنے ایک لڑکی قتل ہوئی' کیا یقین نہیں آنا چاہیے تھا؟'' وہ پرسکون ٹھنڈے انداز میں جواب دے رہی تھی۔

''یعنی آپ مانتی ہیں کہ آپ نے اس وقت گولی مارنے والے کی بات کو غلط جج کیا اور نہ بھاگ کر غلطی کی؟''

''بھاگ کر کہاں جاتی؟ سارا ریسٹورانٹ تو اوپن تھا۔ اور اس کے پاس sniper گن تھی۔'' ایک کاٹ دار نظر سامنے بیٹھے فارس پہ ڈالی (وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا' چبھتی ہوئی نظروں سے) اور واپس خلجی صاحب کو دیکھا۔ ''اس نے ایسی جگہ منتخب کی جہاں بھاگنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔''

خلجی صاحب نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات پہ نظر ڈالی' پھر سر اٹھایا کر اسے دیکھا۔ ''زمر صاحبہ' آپ کب سے پراسیکیوٹر ہیں؟''

''میرا خیال ہے آپ کے کاغذ اور دماغ دونوں میں تاریخ درج ہوگی' بہرحال' ساڑھے تین سال سے۔''

''میں آپ سے درخواست کروں گا کہ اپنے جوابات کو مختصر رکھیے۔''

''پھر آپ کو چاہیے کہ آپ مجھ سے ڈبلیو کوئسچنز نہ پوچھیں۔'' (یعنی کہ کیا' کیوں' کب' کہاں والے سوالات۔) خلجی صاحب نے اثر لیے بنا کاغذات کو پھر سے دیکھا۔ دو انگلیوں سے کان کی لو مسلتا فارس آنکھیں سکوڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا یہ درست ہے کہ آپ اپنے جونیئرز میں ایک سخت گیر پراسیکیوٹر کے طور پہ مشہور ہیں؟''

''بالکل۔ اور کیسا ہونا چاہیے پراسیکیوٹر کو؟'' اس نے گردن کڑائی۔ وہ فارس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔

''زمر صاحبہ' آپ جانتی ہیں کہ جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے' قانون کے تحت ہم فارس غازی کو presumed innocent کہیں گے' مجرم نہیں۔ گو کہ آپ اسے مجرم ہی خیال کرتی ہیں۔''

''بالکل۔'' سر اثبات میں ہلایا۔ فارس نے (ہونہہ) سر جھٹکا۔

''اور زمر' جب آپ کسی کو پراسیکیوٹ کرتی ہیں' تو اس کو مجرم گردان کر ہی ایسا کرتی ہیں' درست؟''

''ثبوت اور شواہد اس کے خلاف ہوں تو' ہاں!'' وہ ٹھنڈی اور پرسکون تھی۔

''میں آپ سے پھر درخواست کروں گا کہ اپنے جوابات کو ہاں یا ناں تک محدود رکھیں۔''

''یہ سوال پہ منحصر ہے۔''

خلجی صاحب نے ضبط سے گہری سانس لی۔ پھر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ کمرہ عدالت میں سناٹا چھایا تھا۔

''پچھلے ساڑھے تین سال میں آپ کے پراسیکیوٹ کیے گئے کیسز میں سے قتل کے سولہ مقدمات ایسے ہیں' جن کے فیصلے آ چکے ہیں۔''

''جی!''

''اوران میں سے سات فیصلے دفاع کے حق میں ہیں۔ یعنی کہ سولہ دفعہ آپ نے کہا کہ یہ شخص قاتل ہے' نو دفعہ عدالت نے کہا کہ ہاں یہ قاتل ہے' مگر سات دفعہ عدالت نے کہا کہ یہ قاتل نہیں ہے۔''

''سات دفعہ شواہد اور گواہیاں اتنی مضبوط تھیں کہ فیصلہ.....'' وہ تصحیح کرنے لگی مگر۔۔

''ہاں یا نہیں' زمر صاحبہ!'' قدرے بلند آواز سے یاد دہانی کروائی۔ زمر نے گہری سانس بھری۔

''جی ہاں۔''

''یعنی کہ سات دفعہ آپ غلط ثابت ہوئیں۔ سولہ میں سات....'' انگلیوں پہ گنا۔ ''تقریباً پچاس فیصد تناسب نکلتا ہے۔ یعنی.... آپ نے سات لوگوں کو پھانسی کی طرف لے جانا چاہا' مگر عدالت نے انہیں بے گناہ قرار دے دیا۔ اس تناسب سے آپ جتنے لوگوں کو قصوروار ٹھہراتی ہیں' ان میں سے آدھے تو بے گناہ نکلتے ہیں۔'' زمر کے ابرو تن گئے اور فارس کے تنے اعصاب ڈھیلے ہوئے۔

''ہم سب جانتے ہیں کہ آپ الفاظ کے ہیر پھیر سے کام لے رہے ہیں' ورنہ ایسے نہیں ہوتا۔'' وہ چیخ کر بولی۔ سعدی اپنے جوتوں کو دیکھ رہا تھا۔ فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ناگواری سے خلجی صاحب کو دیکھا۔

''زمر صاحبہ' کیا یہ درست نہیں کہ آپ پراسیکیوشن آفس میں بیٹھ کر دفاع کی جانب سے کان بالکل بند کر لیتی ہیں' اور ایک دفعہ کسی کو مجرم گردان لیتی ہیں تو یہ ثابت کرنے کے لئے آخری حد تک جاتی ہیں؟''

''میں بغیر وجہ یا ثبوت کے کسی کو مجرم نہیں گردانتی۔'' چبا چبا کر' سلگتی آنکھوں سے انہیں دیکھ کر بولی۔ سامنے کھڑے خلجی صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر اپنے ہاتھ میں پکڑے کاغذ دیکھے۔

''کیا یہ درست ہے کہ وارث غازی قتل سے چند روز قبل آپ نے ایک موک ٹرائل میں حصہ لیا تھا۔ سرکار بنام ہیری پوٹر!''

اور زمر نے بری طرح چونک کر سامنے بیٹھے سعدی کو دیکھا۔ اس نے گردن مزید جھکا دی۔ زمر کی آنکھوں میں بے یقینی' صدمہ' دھچکا' ہر شے ابھری تھی۔

''جی ہاں!'' وہ دوبارہ خلجی صاحب کی جانب مڑی تو جیسے ڈھیروں غصے کو ضبط کر رہی تھی۔

''اس میں آپ نے ہیری پوٹر کو سیڈرک ڈگوری کا قاتل ثابت کروایا۔ کیا یہ درست ہے؟''

''وہ ایک موک ٹرائل تھا!'' گلابی پڑتی آنکھوں سے وہ غرائی تھی۔ مگر وہ اثر لیے بنا کاغذات کو پڑھ رہے تھے۔

''جبکہ ہیری پوٹر کے چوتھے حصے میں درج اس واقعے کی تفصیل کے مطابق ہیری قاتل نہیں تھا۔''

''وہ ایک موک ٹرائل تھا!'' سختی سے کٹہرے کا جنگلہ پکڑے' وہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''زمر' میرا آخری سوال۔'' کاغذ سے چہرہ اٹھا کر انہوں نے سادگی سے پوچھا۔ ''کیا ہیری کو پراسیکیوٹ کرنے سے قبل آپ نے وہ چوتھا حصہ پڑھا تھا؟''

''وہ ایک موک ٹرائل تھا' خلجی صاحب!'' اس کی آواز کانپی۔

''اس چوتھے حصے کے مطابق' ہیری بے گناہ تھا یا گناہگار؟''

اور فارس بے چینی سے سعدی کی طرف جھکا۔ ''وکیل کو منع کرو۔ اس کے ساتھ یوں نہ کرے۔ وہ ایک عورت ہے۔''

سعدی نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''اتنی ہمدردی تھی تو گولی کیوں ماری؟''

فارس نے جواباً غصے سے اسے گھورا۔

''کیا نہیں ماری تھی؟ تو اگر کوئی یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو کرنے دیں۔'' اور پھر سے قدموں میں دیکھنے لگا۔

''وہ تمہاری پھپھو ہیں۔'' اس نے گویا ملامت کی۔

''اور مجھ سے زیادہ مضبوط ہیں' سہہ لیں گی۔''

اور خلجی صاحب کہہ رہے تھے۔

''میں آپ سے ایک سادہ سی بات پوچھ رہا ہوں۔ ہیری پوٹر کی چوتھی کتاب کے تحت' ہیری پوٹر، جس کو آپ نے سزا دلوائی تھی، گناہگار تھا یا بے گناہ؟''

لب بھینچے' زمر نے سرخ ہوتی آنکھیں خلجی صاحب پہ جمائیں' چند لمحے منتظر سی خاموشی چھائی رہی۔

''بے گناہ!''

ایک لفظ بولا جج نے قلم سے کاغذ پہ کچھ نوٹ کیا، خلجی صاحب ''ڈیٹس آل'' کہتے پیچھے کو ہٹے مگر وہ ان سے پہلے پرس کندھے پہ ڈالتی نیچے اتری آئی۔ سعدی کے قریب سے گزرنے لگی تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا' زمر نے ملامتی' کاٹ دار نظر اس پہ ڈالی اور آگے چلتی چلی گئی یہاں تک کہ وہ کمرہ عدالت سے باہر تھی۔ کوئی اسے روک کے دکھائے تو اس کی ماں اسے روئے۔

راہداری میں چلتے ہوئے اس کا چہرہ احساسِ توہین سے سرخ پڑ رہا تھا۔ بار بار وہ کنپٹی مسلتی۔ سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ واپس اپنے آفس آئی اور اندر جو بھی بیٹھا تھا اس کو ''باہر جاؤ، فوراً'' کہہ کر بھیجا اور کرسی پہ گر سی گئی۔ آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں، سر درد الگ۔

پتہ نہیں کتنی دیر وہ ادھر بیٹھی رہی، پھر پرس اور چابیاں اٹھا کر باہر نکلی۔ راہداری میں ابھی آگے آئی ہی تھی کہ سامنے سے دو اہلکار ہتھکڑی لگے فارس کو لے کر آ رہے تھے، اس کے ہاتھوں سے بندھی زنجیریں سپاہیوں کے ہاتھوں سے جڑی تھیں۔ سماعت ختم ہو چکی تھی۔

اسے قریب آتا دیکھ کر وہ رکا، گردن ترچھی کر کے سپاہی کو دیکھا۔

''نذر اسلام، تمہاری بیوی کا نام رخصانہ ہے، چار بچے ہیں تمہارے، سیٹلائٹ ٹاؤن کے پاس گھر ہے تمہارا، اگر تم نے مجھے پراسیکیوٹر سے بات کرنے سے روکا، تو یاد رکھنا، جس دن چھوٹوں گا، سب سے پہلے تمہارے گھر جاؤں گا۔'' ایک کاٹ دار نظر اہلکار پہ ڈالی جو بے بسی سے خشک لبوں پہ زبان پھیر کر رہ گیا۔ وہ چلتی ہوئی قریب آ رہی تھی، اسے دیکھا تو رخ پھیر کر نکلنے لگی، مگر۔۔

''آپ نے کہا آپ میرے ساتھ کھڑی ہوں گی، میری وکیل بنیں گی۔'' زمر رکی، چونک کر اسے دیکھا۔ وہ وسط راہداری میں، ہتھکڑیوں میں کھڑا، بہت ضبط سے اسے دیکھتے کہہ رہا تھا۔

''اس ریکارڈنگ میں آپ نے کہا، آپ میرا ساتھ دیں گی، حالانکہ آپ کو بتایا جا رہا تھا کہ میں نے وارث کو مارا ہے۔'' وہ چند قدم مزید قریب آیا۔ دونوں اہلکار ساتھ کھنچے آئے۔ راہداری میں سے گزرتے لوگ رک کر دیکھنے لگے۔ زمر لب بھینچے کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور سانس تیز ہو رہی تھی۔ وہ دو قدم مزید آگے آیا۔ انہی غصے بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے بولا۔

''بھائی کو مارا تو خیر تھی، بات سننے کو تیار تھیں آپ، مگر آپ کو مارا تو اصول بدل گئے، ہاں؟''

وہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ پہلو میں گرے ہاتھ سے پرس کو زور سے بھینچا۔ ضبط سا ضبط تھا۔

''آپ نے کہا، ادھر کٹہرے میں'' ہتھکڑی والے ہاتھ سے کمرہ عدالت کی سمت اشارہ کیا۔''میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا، سچ کہا، مگر آپ کوئی نہیں تھیں، آپ زمر تھیں!'' انگلی اٹھا کر، پیچھے ہٹتے، اس نے غصے اور درد سے بھری آنکھوں سے اسے دیکھا'' آپ سے، کم از کم آپ سے مجھے امید تھی کہ آپ مجھے سنیں گی، مگر آپ نے سب سے پہلے میری امید توڑی۔'' اور وہ پیچھے ہٹتا گیا۔''میں بے گناہ تھا میڈم زمر، میں بے گناہ تھا!'' غصے کی جگہ ان آنکھوں میں دکھ بھر آیا اور پھر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اسے لیے مڑ گئے، مگر اس کی آنکھیں۔۔ وہ آنکھیں نقش تھیں۔۔ زمر نے ادھر ادھر دیکھا، ہر رک کر اسے دیکھتے شخص کے اوپر وہی آنکھیں چسپاں تھیں۔ وہ تیز تیز چلتی دوسری سمت بڑھنے لگی۔ اس کا سانس اب بھی بے ترتیب تھا، اور آنکھوں کا گلابی پن بڑھتا جا رہا تھا۔

گھر آ کر اس نے ابا' صداقت' کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ کھانا بھی نہیں کھایا۔ کمرے میں بند ہو گئی۔ ڈاکٹر کی اپائنمنٹ پہ بھی نہیں گئی۔ بس بستر پہ چت لیٹی چھت کو دیکھتی رہی۔ پھر شام ڈھلے اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھی' اور کچھ فائلز کو پڑھتی رہی۔ رات دیر تک اس کے کمرے کا بلب منظر رہا۔ کب سر فائل پہ رکھے وہ سو گئی' اسے پتہ بھی نہیں چلا۔

.....❖❖❖.....

کیا گزرتی ہے بھری دنیا میں تنہا شخص پر ..... ایک لمحے کے لیے خود سے بچھڑ کر سوچنا

رات کا دوسرا پہر تھا شاید' جب اس کی آنکھ کھلی۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ لیمپ جانے کب بجھ گیا۔ شاید بجلی چلی گئی تھی۔ وہ بال لپیٹتی اٹھی۔ بتی جلائی۔ یو پی ایس نے کمرہ روشن کر دیا۔ وہ قدم قدم چلتی شیلف تک آ رکی۔ وہاں سیاہ جلد والی موٹی موٹی قانون کی کتابیں رکھی تھیں۔ زمر نے ہاتھ اٹھا کر ان کو چھوا۔ آنکھوں میں کرب ابھرا۔ پھر وہ مزید دائیں جانب آئی۔ یہاں الماری تھی۔ اس نے پٹ کھولا۔ جوتوں والے خانے میں ایک ڈبہ رکھا تھا جس میں چند ایک تراشے اور کاغذ پڑے تھے۔

یہ ڈھائی سال قبل اس نے جمع کیے تھے۔ پھر چھوڑ دیے۔ یہ تکلیف دیتے تھے اور وہ تکلیف سے بچنا چاہتی تھی' پھر بھی بچ نہیں پاتی تھی۔ مگر جو تکلیف' ہتک' ذلت آج اٹھانی پڑی تھی.... بھری عدالت میں.... اس نے ڈبے کو چھوئے بنا الماری بند کر دی اور باہر نکل آئی۔

گھر ویران، اندھیر پڑا تھا۔ اور سرد بھی۔ وہ باہر لان میں آ گئی۔ برآمدے کے اسٹیپ پہ بیٹھی۔ ایک گال گھٹنوں پہ رکھے' دور گھاس اور پودوں کو تکتی' خاموش بیٹھی رہی۔ لمحے چپ چاپ کٹتے رہے' پھسلتے رہے' یہاں تک کہ فجر اترنے لگی' تب زمر اٹھی اور لان کے کنارے تک آئی۔ یہاں پودوں کو پانی دینے کے لئے ٹونٹی لگی تھی۔ اس نے وہی کھولی' ٹھنڈے یخ پانی سے وضو کیا اور وہیں گھاس پہ کھڑے نماز کی نیت باندھ لی۔

آخری سجدے کے بعد' التحیات پڑھ لیا اور سلام پھیرا تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے' مگر پھر گرا دیے۔ چپ چاپ سجدے کی جگہ کے گھاس کو دیکھتی رہی۔ اس پہ انگلی پھیرتی رہی۔ سخت سردی میں بغیر سوئیٹر کے وہ کتنی ہی دیر وہاں بیٹھی رہی۔۔

وہ رات اس حوالاتی کوٹھڑی میں بھی آنکھوں میں کاٹی گئی تھی۔ وہ ذرا سا کونہ جہاں برآمدے کی بتی کی مدھم روشنی گرتی تھی' آج فارس ادھر نہیں لیٹا تھا۔ وہ دوسری دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اکڑوں، سر دیوار سے ٹکائے' آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے دور سلاخوں کے پار دیکھ رہا تھا۔ باہر فجر ابھی تک تازہ تھی۔ پہریدار ٹہل رہے تھے۔ باتیں کر رہے تھے۔ چند ایک کوٹھڑیوں میں سے آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ احمر جمائی لیتا' آنکھیں مسلتا اٹھ بیٹھا' پھر ادھر ادھر دیکھا۔

''غازی بھائی۔ ادھر کیوں بیٹھے ہو؟ سوئے نہیں کیا؟''

''اونہوں!'' وہ باہر دیکھتا رہا۔ یقیناً وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ احمر لبوں پہ ہاتھ رکھ کر جمائی روکتا سیدھا ہو کر بیٹھا۔ فارس اس سے چند قدم کی دور تھا۔

''کیا بات ہے؟ نماز نہیں پڑھی؟''

''پڑھ لی۔''

''اس نماز کا کیا فائدہ جس کے آخر میں کوئی دعا ہی نہ مانگی جائے؟ چار سجدے کیے' اور اٹھ گیا۔'' پھر وہ خود ہی ہنسا' مگر جب فارس نے قہقہے کا جواب نہیں دیا تو وہ چپ ہو گیا۔

''برے حالوں میں لگ رہے ہو آپ۔'' وہ آنکھیں جھپکا جھپکا کر غور سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر قریب کھسک آیا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟ اپنے پرزن رائٹس کے بارے میں؟''

خلاف معمول فارس بے زار نہیں ہوا' ہلکی سی نفی میں گردن ہلائی۔

''پھر کیا چڑیل کے بارے میں؟ کل کورٹ میں پیش ہوئی تھی نا!؟''

''ہوں!'' فارس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ نے بتایا ہی نہیں کل سے کہ کیا ہوا۔ کیا اس نے وہی کہا جو پہلے کہہ چکی تھی یا' کچھ نیا تھا اس میں؟''

''سب پرانا تھا۔''

''تو اتنے اپ سیٹ کیوں ہو؟''

''عدالت نے نو مہینے بعد کی تاریخ دی ہے۔'' تکلیف سے کہتے اس نے گردن پھیر کر احمر کو دیکھا جس کے لب اوہ میں سکڑے۔ ''نو مہینے اسٹپنی! نو مہینے میں ایک پیشی کا انتظار نہیں کر سکتا۔''

''مگر.... آج تو سب کچھ آپ کے حق میں گیا تھا نا۔''

''مجھے بھی یہی لگا' سعدی کو بھی مگر جب جج نے اگلی تاریخ دی تو میرے وکیل نے بھانپ لیا کہ جج بک چکا ہے۔'' تکان سے کہتے اس نے آنکھوں کے درمیان کی ہڈی مسلی۔ ''اتنے مہینے کے انتظار' جس کی اتنی راتیں' مگر انصاف کی کوئی امید نہیں۔''

احمر نے گردن پھیر کر روشنی والا کونہ دیکھا جو آج خالی پڑا تھا۔

''مجھے بھی لمبی تاریخ مل گئی ہے۔'' وہ تھوڑی دیر بعد منہ بسورے بولا تو فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''مگر تمہارا وکیل تو ہاشم ہے۔''

''ہاشم اپنے والد کے مجبور کرنے پہ میرے لئے کوشش کر رہا تھا۔ مگر اسے اندر سے مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں' شروع شروع میں اس نے یوں ظاہر کروایا کہ بس میں رہا ہوا کہ ہوا' مگر.... اب تک اورنگزیب کا کردار مجھے بھولنے لگے ہیں'' پہلی دفعہ وہ بے فکرا اور لاپرواہ نہیں لگا تھا' اسے جیسے اب واقعی فکر ہونے لگی تھی مگر وہ اسے چھپانے کی سعی کر رہا تھا۔

فارس نے کرب سے سر جھٹکا۔

''پھر اب آپ کیا کریں گے؟''

''تم کیا کرو گے؟ بلکہ۔۔'' وہ ایک دم احمر کو دیکھنے لگا۔ ''بلکہ ہم کیا کریں گے؟'' تو وہ جو ہنوز اداس بیٹھا تھا' چونکا' پھر پیچھے کو ہٹا۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں مجھے؟'' مشکوک انداز میں اسے گھورا۔

فارس کچھ کہے بنا اس کو دیکھتا رہا۔

''نہیں' بالکل نہیں۔'' احمر نے جلدی سے ہاتھ اٹھا دیے۔ ''میں وہ نہیں کرنے والا جو آپ سوچ رہے ہیں۔''

''میرے پاس ایک پلان ہے اسٹپنی' اگر تم سننا چاہو تو!''

''بالکل بھی نہیں، ہم ایسا کچھ نہیں کریں گے، عدالت پہ یقین رکھیں، بس!'' بگڑ کر کہتا وہ پرے لیٹ گیا۔ فارس اسے دیکھ رہا تھا، اس نے گھبرا کے کروٹ بھی بدل لی۔

باہر فجر میں ایک ویران صبح کی روشنی گھلتی گئی۔

.....❖❖❖.....

واجب القتل اس نے ٹھہرایا ..... آئنوں سے، روایتوں سے مجھے

جسٹس مکرم کے چیمبرز میں خاموشی چھائی تھی۔ ہیٹر نے ماحول کو گرم اور خنک کر رکھا تھا۔ زمر سامنے سر جھکائے بیٹھی تھی اور وہ اپنی کرسی پہ براجمان' عینک کے پیچھے سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''مجھے پراسیکیوشن آفس سے استعفیٰ دے دینا چاہیے!'' بہت دیر بعد اس نے سر اٹھایا تو آنکھوں میں تکان تھی۔ گھنگھریالی لٹیں دونوں طرف سے گالوں کو چھو رہی تھیں۔ انہوں نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔

''تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے زمر؟''

''یہی کہ میں ایک اچھی پراسیکیوٹر نہیں ہوں۔ میرے خیالات فکسڈ ہو چکے ہیں' اور میں تصویر کا دوسرا رخ دیکھنا چھوڑ چکی ہوں۔'' وہ یک ٹک بھری آنکھیں ان پہ جمائے' بدقت ایک ایک لفظ ادا کر پائی۔ جسٹس مکرم نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

''سب سے برے مریض، ڈاکٹر ہوتے ہیں، اور سب سے برے گواہ خود وکیل بنتے ہیں۔ تم نے یہ ثابت کر دیا۔'' پھر قدرے آگے جھکے۔ ''مجھے' بلکہ پوری کچہری کو معلوم ہے کہ کل تمہارے ساتھ کیا ہوا۔ دفاعی وکیل گواہ کو ڈس کریڈٹ کرنے کے لئے ہر قسم کا ہتھکنڈہ استعمال کرتے ہیں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم اس وکیل کی بات دل پہ لے لوگی۔''

''وہ میرے راستے میں آیا اور اس نے میری آنکھوں میں دیکھ کر کہا کہ وہ بے گناہ ہے۔''

وہ چونکے۔ ''کون؟''

''فارس۔'' وہ کہہ کر چپ ہو گئی۔ چند ثانیے کو چیمبرز میں سناٹا چھا گیا۔

''کیا اس نے یہ پہلی دفعہ تم سے کہا؟''

''میں ڈھائی برس تک اس سے ملنے سے انکار کرتی رہی' اس لیے نہیں کہ مجھے تکلیف ہوتی ہے، اس لیے بھی نہیں کہ کوئی مجھے ثبوت لا کر نہیں دیتا۔ یہ وہ بہانے تھے جو میں بناتی تھی، صرف اس لیے کہ مجھے معلوم تھا، اگر وہ میرے سامنے آیا اور کہا کہ وہ شرمندہ ہے تو میں اسے معاف کر دوں گی۔ مگر کل وہ سامنے آیا تو کہا کہ وہ بے گناہ ہے۔ اور میں نے سن بھی لیا۔''

''اور کیا مان بھی لیا؟''

اس بات پہ زمر نے ٹھنڈی سانس بھری اور گردن جھکا کر اپنے ناخن کھرچنے لگی۔

''میں کنفیوژڈ ہو گئی ہوں۔''

''جیسا کہ دفاعی وکیلوں کی خواہش ہوتی ہے' اگر کنوینس نہ کر سکو تو کنفیوژ کر دو۔'' وہ قدرے ناراض نظر آنے لگے۔ زمر نے نفی میں گردن ہلائی۔

''شاید وہ ٹھیک ہیں۔ میں اپنے غم' بیماری اور ٹراما میں خود غرض ہو گئی ہوں۔ میں نے دوسری طرف کی کہانی سننا چھوڑ دی ہے۔ مجھے اس کی بات سننی چاہیے تھی۔ وہ قاتل تھا یا نہیں' مجھے اس سے ملنا چاہیے تھا۔''

''تمہاری جگہ کوئی دوسرا بھی ہوتا تو یہی کرتا۔''

''مگر میں کوئی دوسری عورت نہیں تھی۔ میں زمر تھی۔ مجھے اپنے جذبات ایک طرف رکھنے چاہیے تھے۔'' انہوں نے جواباً اکتا کر ناک سے مکھی اڑائی۔

''یہ کتابی باتیں ہیں' کوئی بھی انسان اتنا غیر جانبدار نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمارے دوست وکلاء ہم ججوں کے سامنے پیش ہونے سے یہ کہہ کر معذرت نہ کر لیتے کہ یہاں Conflict Of Interest آ گیا ہے۔ وکیلوں کے بھی جذبات ہوتے ہیں۔''

''اور بطور ایک جج آپ کو کیا لگتا ہے؟ سرکار بنام فارس غازی میں مجرم کون ہے؟'' وہ بالکل خالی نظروں سے ان کو دیکھتی پوچھ رہی تھی۔

''جتنا میں نے اس کیس کے بارے میں سن رکھا ہے' میرا خیال ہے فارس غازی مجرم ہے۔'' عینک کے بازو کا کنارہ دانتوں میں دبائے' وہ کندھے اچکا کر بولے۔

''کیونکہ ثبوت اس کے خلاف ہیں؟ مگر قانون تو یہ کہتا ہے کہ عدالت کا فیصلہ آنے تک ملزم کو ''مجرم'' نہ کہا جائے بلکہ اسے Presumed Innocent سمجھا جائے۔'' وہ بہت تکلیف میں بول رہی تھی۔

''یہ درست ہے۔''

''اور قانون یہ بھی کہتا ہے کہ اگر ایک طرف ملزم کے خلاف شواہد کا پہاڑ ہو' مگر دوسری جانب اتنا ذرا سا....'' انگوٹھا اور انگشتِ شہادت قریب کر کے بتایا۔ ''اتنا ذرا سا بھی شک ہو' Reasonable Doubt ہو' تو ہمیں ملزم کو بری کر دینا چاہیے کیونکہ سو گناہگاروں کو بری کر دینا ایک معصوم کو سزا دینے سے بہتر ہے۔'' اور پھر وہ خاموش ہوگئی۔ چند لمحے اسی سناٹے میں پھسل گئے۔

''میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، اور وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا، سر۔''

عینک کا ہینڈل چباتے ہوئے انہوں نے ہنکارا بھرا ''ہوں، تو تمہیں کیا ڈر ہے؟''

''اگر میری وجہ سے ایک بے گناہ آدمی کو سزا ہوئی تو میں زندگی میں کبھی دوبارہ لاء نہیں پریکٹس کر سکوں گی۔''

جسٹس مکرم آگے کو ہوئے' سوچتے ہوئے عینک کے کنارے سے میز پہ نادیدہ لکیریں کھینچیں۔

''تو پھر؟ کیا وہ بے گناہ ہے؟''

''میرے پاس بہت کچھ ہے جو اس کو مجرم ثابت کرتا ہے میری نظروں میں' مگر ان کے پاس Reasonable Doubt ہے اور اگر میں ان دونوں کو ان پلڑوں میں رکھوں.....'' میز پہ رکھے ڈیکوریشن ترازو کی سمت اشارہ کیا۔ ''تو رتی بھر شک کا پلڑا ہمیشہ جھک جائے گا۔''

''شک کیا ہے؟''

''وہ آواز جو میں نے سنی' وہ جعلی تھی۔ یہ میرے لئے ماننا بہت مشکل ہے' آپ کے لئے بھی ہوگا' لیکن.....'' وہ بے چینی سے آگے ہوئی۔ ''اب دو باتیں ہیں۔ اول' قاتل فارس ہی تھا اور یہ آڈیو ردوبدل کے بعد پیش کی گئی ہے' اسی لئے وہ لوگ اس کا سورس نہیں بتا رہے۔ دوم' (ایک گہری سانس لی) آڈیو اصلی ہے' وہ فارس نہیں تھا' وہ ایک جعلی آواز تھی۔''

''تمہارا دل کیا کہتا ہے؟''

''دل سے آخری فتویٰ لیا جاتا ہے' پہلا نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہی مجرم ہے' اسی نے کیا ہے یہ سب۔ لیکن....'' اور یہیں آ کر اس کا پورا وجود کرب میں مبتلا ہو جاتا۔

''تمہارے دل میں شک آ گیا ہے۔''

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اور تم نے اس کا حل یہ سوچا کہ تم فرار ہو جاؤ؟ استعفیٰ دے کر؟''

''میں فرار نہیں ہو رہی۔ میں شاید اس کرسی کی مستحق نہیں ہوں۔ شاید پراسیکیوشن کی کرسی پہ بیٹھ کر میں دوسرا رخ دیکھنا چھوڑ چکی ہوں۔''

''جب عدالت میں اس وکیل نے یہ کہا کہ تمہارے اتنے کیسز کے فیصلے تمہارے خلاف آئے ہیں' تو تم نے اسے سچ کیوں نہیں بتایا؟''

''اور سچ کیا تھا؟'' وہ اداسی سے مسکرائی۔

''یہ کہ ان کیسز میں ملزم بری اس لئے ہوئے تھے کہ کبھی گواہ ڈر گئے یا بک گئے' کبھی جج ہمت نہ کر سکے' کبھی ثبوت نہیں تھے' کبھی شک کا فائدہ دیا گیا۔ میں روز کتنے ہی ایسے کیسز میں لوگوں کو بری کرتا ہوں جہاں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملزم ہی مجرم ہے مگر میرے سامنے اتنے ثبوت ہی پیش نہیں کیے جاتے جو ان کو جیل میں روک سکے۔ پراسیکیوٹر کا کام حقائق اور شواہد سامنے لانا ہوتا ہے، اور تم ایک بہترین پراسیکوٹر ہو زمر!'' پھر گہری سانس لے کر پیچھے ہوئے۔

''رہا فارس غازی کا کیس' تو اس کے خلاف اتنے ثبوت ہیں کہ تم نہ گواہی دیتیں' تب بھی وہ جیل میں ہوتا۔ پھر بھی اگر تمہیں لگتا ہے کہ اس کے بے گناہ ہونے کا ذرا سا بھی چانس ہے' تو تم اپنی گواہی واپس لے لو' اور جا کر ایک دفعہ اس کی بات سن لو۔ اگر وہ کہے کہ وہ بے گناہ ہے تو یقین مت کرنا' کیونکہ سب ملزم یہی کہتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات کہے تو دھیان سے سن لینا۔''

زمر نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تھینک یو سر۔ میں بہتر محسوس کر رہی ہوں۔ میں اپنی گواہی واپس لے لوں گی' گو کہ مجھے ابھی تک خود پہ یقین ہے' مگر اس کیس سے الگ ہونے کے لئے میں یہ ضرور کروں گی۔'' کہتے ہوئے وہ پہلی دفعہ قدرے سکون سے مسکرائی۔ وہ واقعی بہتر محسوس کر رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

اب کہ ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں ..... جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

جیل کے برآمدے میں معمول کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ صحن میں قیدی ادھر ادھر چلتے' پھرتے' کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک کونے میں' سرما کی دھوپ سے بے نیاز' وہ دونوں بھی موجود تھے۔ فارس ٹانگ موڑ کر' دیوار سے ایک پاؤں لگائے کھڑا تھا' اور احمر اس کے سامنے کھڑا' سینے پہ بازو لپیٹے' دھوپ کے باعث آنکھیں چندھیا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''پریشان ہوا سٹپنی!''

''نہیں یار!'' احمر نے بے چینی سے سر جھٹکا اور پتلیاں سکیڑ کر دور سفید کپڑوں والے قیدیوں کو دیکھنے لگا۔

''اے!'' فارس نے اس کے چہرے کے آگے ہاتھ ہلایا۔ ''مسئلہ ہے کوئی؟''

''ہاشم اس سماعت پہ نہیں آیا۔ ٹالے جا رہا ہے۔ اگلے ہفتے بھی معلوم نہیں آئے یا نہیں۔'' اور ان ڈھیر سارے دنوں میں پہلی دفعہ وہ مایوس نظر آنے لگا تھا۔

''ہاشم کے وعدوں پہ رہو گے تو یہی ہو گا۔'' پھر ادھر ادھر سرسری سا دیکھا اور احمر کے قدرے قریب ہوا۔ ''مجھے یا تمہیں کوئی عدالت یہاں سے نہیں نکالے گی۔ اب بھی وقت ہے' میرے پلان کے بارے میں سوچو۔''

احمر نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ فارس نے ہاتھوں میں پکڑا کاغذ کا ٹکڑا منہ میں ڈالا اور چباتے ہوئے گردن موڑ کر سامنے دیکھنے لگا۔ ایک اہلکار اسی طرف آ رہا تھا۔

''تمہاری ملاقات آئی ہے غازی۔'' اس نے فارس کو مخاطب کیا۔

''کون ہے؟'' کاغذ چباتے اکتاہٹ سے پوچھا۔

''پراسیکیوٹر صاحبہ۔''

کاغذ اس کے حلق میں پھنس گیا' ہلتے جبڑے رکے' چونک کر اسے دیکھا' پھر احمر کو۔ وہ بھی ایک دم سیدھا ہوا تھا۔

''چڑیل آئی ہے؟ آپ سے ملنے؟'' شاک اتنا شدید تھا کہ وہ اسے ٹوک بھی نہ سکا۔ بس کاغذ منہ سے اگلا اور خاموشی سے سپاہی کے پیچھے ہولیا۔

جب وہ اس کمرے میں داخل ہوا تو میز کے اس پار کرسی پہ وہ بیٹھی تھی۔ گھنگریالے بال آدھے کیچر میں بندھے تھے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' شال کندھوں کے گرد اور بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتی۔ آہٹ پہ نظریں اٹھائیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا آیا اور اس کے سامنے بیٹھا۔ بال ویسے ہی پونی میں تھے' اور شیو ہلکی ہلکی سی نظر آتی تھی۔

''لانگ ٹائم میڈم!'' آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔

زمر نے سر کو ہلکے سے اثبات میں جنبش دی۔ ''لانگ ٹائم' فارس!''

اور تیکھی نظریں اس پہ مرکوز کر دیں۔ ہاتھ گود میں رکھ لئے تھے' اور مٹھیاں ضبط سے بھینچ لی تھیں۔ ذہن کے پردوں پہ وہی آوازیں گونجنے لگیں۔ (میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا زمر۔ آئی ایم سوری۔) اس نے ان تکلیف دہ یادوں کو ذہن سے جھٹکنا چاہا' مگر یہ آسان نہ تھا۔

''سو؟'' دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا' منتظر تھا۔

''میں تمہیں سننے آئی ہوں۔ تم ڈھائی سال سے یہی درخواست کرتے رہے ہو نا۔ تو اب میں یہاں ہوں۔ کہو جو بھی کہنا ہے۔'' فارس کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھری۔

''دیر کی آپ نے آنے میں۔ اب مجھے آپ کے قانون سے کوئی امید نہیں رہی۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

''بتاؤں کیا کہنا ہے مجھے آپ سے؟'' وہ ہاتھ باہم ملا کر میز پہ رکھے آگے کو جھکا اور چبا چبا کر ہر لفظ ادا کیا۔ ''یہی کہ میری بیوی کی موت کی ذمہ دار آپ بھی ہیں۔ آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اس کا ہاتھ پکڑتیں اور وہاں سے بھاگ جاتیں۔ آپ کو اسے بچانا چاہیے تھا۔ اس کی حفاظت کرنی چاہیے تھی۔ مگر اپنی دوسروں کو قائل کرنے کی مہارت پہ یقین کر کے آپ نے اسے بھی نقصان پہنچایا اور خود کو بھی۔''

زمر اب کہنی کرسی کے ہتھ پہ رکھے' انگلی تھوڑی تلے جمائے' اسے دیکھ رہی تھی۔

''میرے پاس اپنے دفاع میں کہنے کو کوئی لمبی چوڑی بات نہیں ہے۔ دل اچاٹ ہو گیا ہے اس قانون سے۔ صرف اتنا کہوں گا کہ تین سال آپ کے شہر میں گزارے' اتنا تو جانتی تھیں آپ مجھے کہ ایک دفعہ میری بات سن لیتیں۔ اتنا تو یاد رکھتیں کہ آپ میری ٹیچر تھیں۔ ایک دفعہ تو تصویر کا دوسرا رخ دیکھتیں۔'' وہ پھر رکا' کہ شاید وہ کچھ بولے مگر وہ چپ چاپ سن رہی تھی۔ ناک کی لونگ ہنوز دمک رہی تھی۔ فارس نے اس لونگ پہ نظریں جمائیں تو لہجے کی کڑواہٹ زائل ہونے لگی۔ اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے۔

''مجھے قاتل سمجھتی ہیں تو سمجھیں میڈم' جو دل میں آئے سمجھیں' مگر ایک دفعہ میرے کیس کو ضرور دیکھیں' اور وہ بھی خود دیکھیں۔'' وہ واپس پیچھے ہوا۔ ''کچھ کہیں گی نہیں آپ؟'' اب کے اس کا لہجہ دھیما تھا۔ نرم تھا۔

''میں کہنے نہیں' سننے آئی تھی۔ کیونکہ اگر کہنے پہ آئی تو آواز باہر تک جائے گی۔'' وہ گہری سانس لیتی' ٹھنڈے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ سپاٹ نظروں سے اس کی آنکھوں کو دیکھا۔ ''یقیناً تم کہہ چکے ہو جو کہنا تھا' سو ملاقات ختم ہوئی۔'' اور کرسی دھکیل کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

فارس نے بے حد تکلیف سے اسے جاتے دیکھا' اور پھر آنکھیں میچ کر گردن جھکا دی۔

جب وہ واپس آیا تو احمر صحن کے اس کونے میں منتظر سا ٹہل رہا تھا۔ اسے آتے دیکھ کر بے چینی سے لپکا۔

''کیا کہہ رہی تھی چڑیل؟'' امید اور خوشی سے اس نے پوچھا۔

''وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے آئی تھی' ورنہ اسے اب بھی یقین ہے کہ میں مجرم ہوں۔'' احمر کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

''مگر.... کہا کیا اس نے؟''

''کچھ نہیں' کیونکہ اگر وہ کچھ کہے گی تو آوازیں باہر تک جائیں گی۔'' وہ دیوار سے کمر لگا کر کھڑا ہو گیا۔ انداز ڈھیلا ڈھیلا سا تھا۔

''لیکن وہ آئی تو سہی نا۔ آہستہ آہستہ ہی انسان پگھلتا ہے۔''

''وہ پھر نہیں آئے گی اسٹپنی۔ مجھے ایک موقع ملا اور میں نے وہ بھی گنوا دیا۔ اسے قائل نہیں کر سکا میں۔'' وہ گردن موڑ کر' آنکھیں مسلے دھوپ کی سمت دیکھنے لگا۔ امید کی کرنیں اب سورج سے بھی نکلنا بند ہو گئی تھیں۔

''لیکن چڑیل کو چاہیئے تھا کہ۔۔۔''

''اگر تم نے ایک دفعہ پھر اس کو چڑیل کہا تو میں اپنا ہاتھ تمھارے جبڑے تک لے جانے پہ مجبور ہو جاؤں گا اور اس کے نتیجے میں تم اپنے دو تین دانت گنوا دو گے۔'' وہ جتنے تحمل سے بولا تھا' احمر کی چلتی زبان اسی تیزی سے بند ہوئی۔ پھر ہونہہ کہہ کر سر جھٹکا۔

❖❖❖

سیف اندازِ بیاں رنگ بدل دیتا ہے!! ..... ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں

زمر گھر میں داخل ہوئی تو لاؤنج سے آوازیں آ رہی تھیں۔ حنین آئی ہوئی تھی۔ وہ اسی طرف آ گئی۔ بڑے ابا وہیل چیر پہ بیٹھے مسکرا کر اسے دیکھ رہے تھے اور حنہ صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی' ان کو کسی کورین ڈرامے کی کہانی سنا رہی تھی۔ خوب مزے سے' مسکرا مسکرا کر' آنکھیں گھما گھما کر۔ زمر کو چوکھٹ میں دیکھ کر اس کی بولتی بند ہوئی۔ سنجیدہ ہو کر پاؤں اتارے۔ آہستہ سے سلام کیا۔ ابا نے مڑ کر دیکھا۔ وہ تھکی تھکی سی سامنے صوفے پہ آ بیٹھی۔

''تمہیں دیر ہو گئی آج؟'' انہوں نے پوچھا۔ حنین سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

''میں کورٹ سے سیدھی جیل چلی گئی تھی۔ فارس سے ملنے۔''

حنین نے کرنٹ کھا کر سر اٹھایا۔ وہ سرسری سا بتا کر' صداقت کو آواز دینے لگی کہ اس کی چیزیں لے جائے۔

''فارس سے۔۔ کیا بات ہوئی؟'' ابا کے بے یقین الفاظ اٹکے۔

''وہ چاہتا تھا میں اس کو سنوں' میں نے سن لیا۔'' صداقت اندر آیا تو وہ اسے چیزیں تھمانے لگی۔ حنہ جلدی سے آگے ہوئی' ساری ناراضی بھلا کر تیزی سے پوچھا۔

''اور کیا مان بھی لیا؟''

''اس نے کہا کہ وہ بے گناہ ہے بس اور جیل میں کوئی ایسا شخص مقید نہیں جو یہ فقرہ منتر کی طرح نہ دہراتا ہو۔'' وہ تکان سے کنپٹی مسل رہی تھی۔

''پھپھو میں ان کے ساتھ تھی، میں نے پولیس کو بھی بتایا تھا، وہ بے گناہ ہیں۔'' وہ تڑپ کر بولی تھی۔ زمر نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا، انگلی سے برابر کنپٹی مسلتی رہی۔

''حنہ بچے میں تمہیں کٹہرے میں نہیں کھڑا کرنی چاہتی۔''

''مگر آپ ایک دفعہ مجھ سے تو پوچھیں کہ کیا ہوا تھا؟''

''او کے، حنین یوسف!'' اس نے سر اثبات میں ہلایا، پیچھے ہو کر بیٹھی، ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ ''شروع کرتے ہیں پھر۔''

حنین نے کمر سیدھی کر لی۔ بڑے ابا خاموش سی بے بسی سے ان دونوں کو دیکھنے لگے جو آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ اور دونوں کے درمیان بہت سا فاصلہ تھا۔

''اس روز، جب مجھ پہ فائرنگ کی گئی تم ہوٹل کے کمرے میں تھیں۔ ایک سے ساڑھے تین بجے تک تقریباً؟''

''جی!'' اس نے گردن کڑائی۔

''اور اس دوران فارس کہیں نہیں گیا؟'' زمر سنجیدگی سے سوال کر رہی تھی۔

''نہیں، وہ ہمارے ساتھ تھے۔''

''اور اس دوران تم بھی کہیں اٹھ کر نہیں گئی؟''

''جی نہیں۔''

''تم سارا وقت اسی کمرے میں تھی؟''

''جی۔''

''اور اس دوران تم نے فارس سے نظر نہیں ہٹائی؟ فارس اور علیشا کے سوا کسی سے کوئی بات بھی نہیں کی؟''

''نہیں۔''

''پولیس کو بھی تم نے بالکل یہی کہا تھا۔ کیا میں اسے تمہارا حتمی بیان تصور کر لوں؟''

''جی، میم پراسیکیوٹر!'' کافی اعتماد سے گردن کڑائے وہ بولی۔ زمر نے آنکھیں میچیں، گہری سانس لی، اور اٹھ کر باہر نکل گئی۔ چند لمحے بعد وہ دوبارہ کمرے میں آئی تو اس کے ہاتھ میں وہی باکس تھا جو وہ الماری میں جوتوں کے خانے میں رکھتی تھی۔

''یہ تمہاری امی کے موبائل کا بل ہے۔ وہ موبائل جو اس روز تمہارے پاس تھا۔''

حنین نے قدرے حیرت سے وہ کاغذ تھاما، اور جب اس پہ نگاہیں دوڑائیں تو اس کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔

''تم نے پولیس کو بھی کہا کہ تم نے اس دوران کسی سے کوئی بات نہیں کی، یعنی ایک لمحے کو بھی تم فارس سے غافل نہیں تھیں۔ جب کہ اس بل کے مطابق تم نے ڈیڑھ بجے اپنے گھر چار منٹ، اور پونے تین بجے اپنی ایک دوست کو دس منٹ کے لیے کال کی۔'' پھر ایک دوسرا کاغذ اس کے سامنے کیا۔ ''یہ اس ہوٹل کی لابی کے سی سی ٹی وی کیمرے کا ایک اسٹل امیج ہے۔ اس میں تم نیچے ایک شاپ میں کھڑی دکھائی دے رہی ہو اور وقت ہوا ہے دو بج کر سترہ منٹ۔ مگر تم نے کہا تھا کہ تم اس دوران کمرے سے کہیں نہیں گئی۔''

''میں بتانا بھول گئی تھی، اور، اور یہ فائرنگ سے بہت پہلے کا وقت ہے۔'' اس نے بجھے چہرے کے ساتھ وضاحت دینے کی کوشش کی۔

''حنہ، بچے میں نے تم سے اس بارے میں کوئی بات اس لیے نہیں کی کیونکہ میں جانتی تھی، تم ڈھائی گھنٹے ایک کمرے میں ٹک کر نہیں بیٹھ سکتیں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم نے یہ باتیں کیوں نہیں بتائیں، تم فارس کو پروٹیکٹ کرنا چاہتی تھی، مگر حنہ، یہ گواہی کا معاملہ ہے، اور گواہی کے معاملے میں ہمیں اگر کسی کی ایک بات جھوٹ معلوم ہو تو اس کی باقی ساری باتیں بھی سچی نہیں رہتیں۔ میں تھک گئی ہوں، آرام

لے جا رہی ہوں۔ آپ لوگ باتیں کریں۔'' وہ نرمی سے کہتی کاغذات واپس ڈبے میں ڈالتی اٹھ گئی۔ حنین چہرہ جھکائے کتنی ہی دیر اسی طرح بیٹھی رہی، اور ابا، وہ بس افسوس سے اسے دیکھتے رہے۔ اگر ان کے خاندان کے سارے لوگ ایک دن کے لیے اپنی ذہانت پہ بھروسہ کرنا چھوڑ دیں تو کتنا اچھا ہو۔۔

میں چاہتی ہوں مرا عکس مجھ کو لوٹا دے
وہ آئینہ جسے اک بار میں نے دیکھا تھا

اس روز چھوٹے باغیچے والے گھر میں حنین کی چیخ پکار لگی تھی۔ اپنے کمرے کی ساری الماریاں تلپٹ کیے' وہ کاغذات ڈھونڈ رہی تھی۔ میٹرک کی سند' بے فارم' شناختی کارڈ۔ ہمیشہ داخلے کی آخری تاریخ سر پہ آئی کھڑی ہوتی اور اس کے کاغذات نہیں مل رہے ہوتے تھے۔

۲۹

اس تلاش میں کتنے عرصے کی کھوئی ہوئی درجنوں چیزیں مل جاتیں' مگر اصل شے ندارد رہتی۔

''کتنی دفعہ کہا ہے اپنی چیزیں ترتیب سے جوڑ کر رکھا کرو۔ لوگوں کی بیٹیوں کو دیکھا ہے کبھی' کیسے ہر چیز....'' امی کی ڈانٹ پھٹکار (نئے سعدی ''بیک گراؤنڈ میوزک'' کہا کرتا تھا) کچن سے سنائی دے رہی تھی۔ تبھی سیم کمرے میں داخل ہوا۔

''حنہ' یہ تمہارے لئے کوریئر آیا ہے۔ امریکہ سے۔''

وہ جو الماری میں سر دیے بیٹھی تھی' چونکی' پھر سب چھوڑ چھاڑ اس کی طرف آئی۔ سیم اتنا اچھا تو تھا نہیں کہ ڈبہ رکھ جاتا۔ اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ کھول بھی رہا تھا۔ اس نے درشتی سے وہ جھپٹا' اسے کمرے سے بھگایا' اور پھر خود کھولنے لگی۔

اندر ایک چھوٹی ڈبی تھی۔ اس میں ایک کی چین تھا۔ علیشا کا کی چین۔ ساتھ میں تہہ شدہ خط۔ دھڑکتے دل سے حنین نے کاغذ کی تہیں کھولیں۔

''ڈیئر حنین۔

ممی سے معلوم ہوا کہ ڈھائی سال بعد تمہارا فون آیا ہے۔ سن کر خوشی ہوئی۔ میں اس دور سے نکل چکی ہوں جب ای میل اور ٹیکسٹ لیا کرتی تھی۔ جہاں اس جیل میں مجھے خط لکھنا زیادہ پرسکون لگا' اس لئے لکھ رہی ہوں۔ کم از کم اسے تم پڑھے بغیر مٹا تو نہیں سکو گی۔''

حنین وہیں زمین پہ پھیلی چیزوں کے درمیان بیٹھ گئی' اور گویا سانس روکے پڑھتی گئی۔

''میں اپنا کی چین تمہیں بھیج رہی ہوں۔ یہ میرے انتقام کے عزم کی نشانی ہے۔ جب ہاشم نے تمہارے سامنے مجھے بے عزت کر کے نکالا تو میں نے سوچا تھا' کہ تم بھی اپنی پھپھو جیسی ہو۔ جیسے اس نے فارس کی بات نہیں سنی' ویسے ہی تم نے بھی میرے نہیں سنی۔ مگر تم دونوں اپنی جگہ ٹھیک ہو۔ کافی عرصہ میں نے سوچا' کہ ہاشم سے اس بات کا بدلہ لوں مگر پھر میں نے جان لیا کہ میں اتنی کمزور اور خوفزدہ سی لڑکی ہوں کہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ سو میں نے بدلے کی تمنا کو ترک کر دیا۔ یہ کی چین بھی تمہیں دے رہی ہوں۔ سب لوگوں میں سے صرف تمہیں۔ لاکٹ بھی اسی لئے تمہیں دیا تھا کہ ایک دن ہم محرم راز بن جائیں گے۔ اور تم میرے ساتھ کھڑی ہو گی۔ پھر مجھے میرا حق مل جائے گا۔ مگر وہ دن اب کبھی نہیں آئے گا حنین۔ مایوسی انسان کو تباہ کر دیتی ہے' مجھے بھی کر دیا۔ میں نے ڈرگز میں فرار چاہی۔ جرائم میں چاہی۔ اب لگتا ہے کہ زندگی ضائع کر دی۔ تمہیں یہی بتانے کو خط لکھ رہی ہوں کیونکہ مجھ میں اور تم میں ذہانت کے علاوہ اور بھی کچھ مشترک ہے۔ ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی طبیعت۔ کہتے ہیں ہر انسان کے اندر دو بھیڑیے ہوتے ہیں۔ ایک اچھائی کا' دوسرا برائی کا۔ غالب وہی رہتا ہے جس کو ہم کھلاتے پلاتے ہیں۔ میں تمہیں بتاؤں حنین' میرے اندر کا منفی بھیڑیا غالب آ گیا' اور میں نے وہ کر دیا جسے دنیا جرم کہے' دھوکہ کہے' یا ڈرگز کہے' مگر خدا اسے ایک ہی لفظ سے پکارتا ہے۔ ''گناہ۔'' اور میں تمہیں بتاؤں' تمہارا بھی بدی کا بھیڑیا جلد یا بدیر غالب آئے گا' اس لئے متنبہ کر

رہی ہوں۔ گنا مت کرنا۔ کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ کسی کی اچھی نیچر سے فائدہ مت اٹھانا۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم ایسا ضرور کرو گی۔ کیونکہ تم بھی evil جینئس ہو۔ شاید مجھ سے بھی زیادہ۔ تو بس اتنا جان لو حنین' کہ ہر گناہ صرف توبہ کر لینے سے معاف نہیں ہو جاتا۔ بڑے گناہوں کے بڑے کفارے ہوتے ہیں۔ سو کچھ بھی غلط مت کرنا۔ کیونکہ کفارے دیتے تمہاری زندگی بیت جائے گی اور غم کم نہیں ہوگا۔ مجھے اس خط کا جواب مت دیا۔ میں اس قید میں کچھ عرصہ مزید رہنا چاہتی ہوں کسی بھی تعلق کی امید کے بغیر۔ مجھے میری غلطیوں کے لئے معاف کر دینا۔ میں بھی تمہیں تمہاری اچھائیوں کے لئے معاف کرتی ہوں۔ دن کے آخر میں ہم تینوں ایک سے ہیں۔ میں' تم' زمر۔۔۔ کمزور چیونٹیاں جو ہمیشہ اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن بناتی ہیں۔

فقط

علیشا کاردار۔

حنین کا چہرہ سفید تھا اور لب جامنی۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکت تھیں۔ کپکپاتے ہاتھ کاغذ پہ جمے تھے۔ وہ بس شل بیٹھی بار بار ان الفاظ کو پڑھ رہی تھی۔ کسی نے گردن دبوچ کر اسے اپنی ہی ذہانت اور قابلیت کی تاریک سرنگ سے نکال کر حقیقت کے روشن کمرے میں لا کھڑا کیا تھا' اور اس کمرے میں ہر طرف آئینے تھے اور ان میں نظر آتے سیاہ سفید عکس اس کے وجود کو کرچی کرچی کر رہے تھے۔

باہر سے آتی ندرت' اسامہ' ٹی وی' سب کی آوازیں اس کے لئے لایعنی ہو چکی تھی۔ وہ نمک کا مجسمہ بنی' اس کاغذ کو ہاتھ میں لئے فرش پہ بیٹھی تھی۔ میٹرک' ایف ایس سی کے رزلٹ کارڈ' بہترین طالبہ کے سرٹیفکیٹ' فلاں اور فلاں ایوارڈ' سب اس کے آس پاس ہی بکھرا تھا' اور وہ ان سب جھوٹے کاغذوں کے ڈھیر میں ایک سچے پرچے کو پکڑے بیٹھی تھی۔

زندگی میں پہلی دفعہ حنین ذوالفقار یوسف خان نے خود سے سوال کیا' وہی جو وارث ماموں کے قتل کی رات فارس نے ہوٹل میں تب پوچھا تھا جب اس نے اس لونگ کا ذکر کیا تھا۔

''تم کون ہو حنین؟''

اور ارد گرد لگے آئینوں کی دیواریں کہہ رہی تھیں۔۔

ایک کمزور کا شکار کرنے والی غارت گر۔۔ ایک بے بس انسان کی جان لینے والی حنین!

.....❖❖❖.....

خود سے بھی کوئی ربط نہیں مرا ان دنوں ..... تجھ سے تعلقات کی تجدید کیا کروں

پبلک پراسیکیوشن آفس کی کھڑکی سے سرما کی دھوپ چھن کر آتی' میزوں پہ رکھی فائلوں کو چمکا رہی تھی مگر موسم سے بے نیاز زمر سنجیدگی سے بصیرت صاحب سے وہ پوچھ رہی تھی جو ان کو الجھا رہا تھا۔

''کیا آپ نے اس کیس میں کسی دوسرے مشتبہ شخص کو چیک کیا تھا؟''

''زمر' یہ رکھی ہیں ساری فائلز۔'' انہوں نے جیسے ہاتھ اٹھا دیے۔ ''اور آپ جس دن کہیں' میں یہ کیس آپ کو دینے کو تیار ہوں' اوپر بات کر لوں گا میں۔''

''مجھے یہ کیس فائلز نہیں دیکھنی' نہ یہ کیس چاہیے۔'' وہ گویا کسی ناپسندیدہ شے سے دور ہٹی۔ ''میں صرف اتنا جاننا چاہتی ہوں کہ کیا آپ نے اس کیس کی ویسے تفتیش کی تھی جیسے آپ کو کرنی چاہیے؟''

''کیا آپ کو فارس کے قاتل ہونے پہ شبہ ہے؟'' وہ حیران تھے۔

''نہیں' مگر میرے خیالات سے فرق نہیں پڑتا۔ میں اس کیس کی پراسیکیوٹر نہیں ہوں' آپ ہیں۔ میں وکٹم ہوں' دوسرا رخ نہیں

ا لٹا جا ہتی' مگر آپ کو ہر رخ دیکھنا چاہیے۔ میں یہ پوچھ رہی ہوں' کیا آپ نے کسی دوسرے suspect (مشتبہ شخص) کو چیک کیا تھا؟''

''ظاہر ہے' میں نے کیا تھا۔ ہر اس شخص کو جس کا کیس سے ذرا سا بھی تعلق بنتا تھا۔'' وہ پھر کوئی فائل اٹھانے لگے مگر زمر نے ہاتھ اٹھا ا نہیں روک دیا۔

''مجھے کوئی فائل نہیں دیکھنی' میں نے خود کو اس کیس سے لاتعلق کر لیا ہے۔ مجھے بس زبانی بتا دیں' کیا آپ کو کوئی ایسی چیز ملی جو فارس ا بے گناہ ثابت کرتی ہو؟'' یہ کتنا تکلیف دہ تھا' مگر اسے کہنا تھا۔

''نہیں۔ کوئی بھی چیز کسی بھی دوسرے شخص کی طرف اشارہ نہیں کرتی تھی۔''

وہ چند لمحے لب بھینچے ان کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

''کیا آپ نے ہاشم کاردار کو چیک کیا تھا؟'' چند لمحے سناٹا چھا گیا۔ اسی وقت زمر کا فون بجا۔ حنین کی امی کا نمبر تھا۔ اس نے عجلت میں کال اٹھائی۔

''پھپھو؟'' وہ حنین تھی۔

''حنین میں ذرا بزی ہوں' تھوڑا ٹھہر کر کال کرتی ہوں۔'' اور بصیرت صاحب کو دیکھا۔ اس کی توقع کے برعکس وہ بولے۔

''وہ ان پہلے لوگوں میں سے تھا جن کو میں نے چیک کیا تھا کیونکہ فارس کا اصرار تھا' یہ وارث کے قتل کو کور کرنے کی سازش ہے۔ تو ہو سکتا ہے' کہ وارث غازی کے پاس ہاشم کا کوئی کیس ہو' جس کو چھپانے کے لئے ہاشم نے اسے قتل کروایا ہو۔ مگر...'' انھوں نے فائل کھولی اور اس میں رکھے فوٹو اسٹیٹ صفحے کی طرف اشارہ کیا۔ زمر کی نگاہیں اس پہ جھکیں۔

''یہ ان تمام کیسز کی فہرست ہے جو وارث غازی کے پاس تھے۔ ان میں ہاشم یا اس کے باپ کا کوئی کیس شامل نہیں ہے۔''

زمر چند لمحے کو چپ سی ہو گئی۔ وہ مسلسل کچھ سوچ رہی تھی۔

''ہم سب جانتے ہیں بصیرت صاحب کہ ہاشم کتنا کرپٹ ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کے خلاف نیب میں ایک کیس بھی نہ ہو؟''

''آپ غلط سمجھی ہیں۔ غازی کے پاس اس کا کیس نہیں تھا' دوسرے اٹھارہ آفیسرز کے پاس اس کے بیسیوں کیسز زیرِ تفتیش ہیں۔''

''اوہ۔'' اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

''تو میں نے وارث کے موجودہ کیسز سے متعلقہ افراد کو چیک کیا۔ کسی کے خلاف کچھ نہیں ملا۔ میں نے ان تمام آفیسرز سے بھی فرداً فرداً ملاقات کی جو ہاشم کے کیسز دیکھ رہے تھے' اور مجھے یہ معلوم پڑا کہ ہاشم یا اس کے خاندان نے کبھی بالواسطہ ان لوگوں کو کوئی دھمکی نہیں دی۔ سب جانتے ہیں' نیب کیسز کا کچھ نہیں بنتا۔ اور وہ ان کو ڈرا دھمکا کر یا رشوت دے کر ان کا منہ بند نہیں کرتا۔ بلکہ ان کو کورٹ میں لا کر بہت فخر سے اپنا دفاع کر کے ان کو خوار کیے رکھتا ہے۔ اگر تو ہاشم کا کوئی کیس وارث کے پاس ہوتا تو میں تب بھی فرض کر لیتا کہ ہو سکتا ہے' وارث کو کوئی ایسی بات معلوم ہوئی ہو جو ہاشم کے لئے نقصان دہ ہو' مگر اس کا تو سرے سے کوئی کھاتہ ہی وارث کی طرف نہیں کھلتا۔''

زمر نے فائل بند کر کے پرے کر دی۔ اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔

''زمر... فارس غازی نے دو قتل کیے ہیں' اس نے یہ بات خود آپ سے کہی تھی' اس کو نہیں معلوم تھا کہ آپ بچ جائیں گی' اور سب کو بتا دیں گی' اس لئے....''

''مگر وہ مجھے ہسپتال دیکھنے آتا رہا تھا' میرے بیان سے پہلے۔ اس نے دوبارہ مجھے مارنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟'' پتہ نہیں کیوں وہ اس کی طرف سے صفائی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اتنی سکیورٹی اور پولیس کی تعیناتی کے باعث' وہ ایسی کوشش کرنے کی بے وقوفی کیسے کر سکتا تھا؟'' وہ الٹا حیران ہوئے۔ ''کیا آپ

کو وہ بے گناہ لگنے لگا ہے۔؟'

''یہی تو سارا مسئلہ ہے۔ میرے نزدیک وہ گناہگار ہے' اور میں چاہ کر بھی کوئی ایسی وجہ نہیں ڈھونڈ پا رہی جو اس کو ان جرائم سے بری کردے۔'' وہ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

حنین ان کاغذوں کے ڈھیر کے بیچ ہنوز بیٹھی' موبائل پہ نمبر ملا رہی تھی۔ پہلی دفعہ ہچکچاہٹ سے' پھر بے چینی سے' اور پھر بے قراری سے' اور اب دیوانگی سے' بار بار زمر کو نمبر ملا رہی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ اسے لگا وہ چند سال پیچھے چلی گئی ہے' جب چھت پہ اندھیرے میں بیٹھے' زمر نے نرم لہجے میں سیم اور اسے جنات کا قصہ سنایا تھا۔ تب اسے لگا تھا' جنات سے زیادہ طاقتور انسان ہوتا ہے' اور اس کے لئے وہ انسان زمر تھی' جو اس کا ہر مسئلہ حل کر سکتی تھی۔ اب بھی اسے یہی لگ رہا تھا۔ درمیان کے ماہ و سال اور ان کی تلخی کہیں کھو سی گئی تھی۔ صرف زمر تھی جس کو وہ اپنا مسئلہ بتا سکتی تھی۔ اور زمر نے ساتویں کال اٹھا کر بس اتنا کہا۔

''حنین میں بزی ہوں' تمہیں ذرا دیر تک کال کرتی ہوں۔'' اور وہ خاموش آنسوؤں کے ساتھ فون ہاتھ میں لئے بیٹھی رہ گئی۔ کافی دیر بعد وہ بجا۔ اس نے دیکھا' زمر کا نمبر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ اترا۔ ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں اور کال اٹھائی۔

''ہاں حنہ' سوری میں اس وقت.....'' وہ نرمی سے کہنے لگی تھی مگر اس نے درشتی سے بات کاٹی۔

''سوری مجھے کہنا چاہیے' غلطی سے کال کر لی تھی۔ کسی اور کو ملا رہی تھی۔ بائے۔'' اور فون رکھ دیا۔ آنسو پھر سے بہنے لگے۔ اتنے سال بعد اس نے پہلی دفعہ زمر کو پکارا تھا' مگر وہ مصروف تھی۔ کیا اس کی مصروفیت حنین کی بھیگی رندھی آواز سے زیادہ اہم تھی؟ اس کا دل ٹوٹ سا گیا۔

زمر کی پھر سے کال آنے لگی مگر حنین نے موبائل آف کر دیا۔

علیشا ٹھیک کہتی تھی' وہ جلد یا بدیر کوئی ایسا گناہ ضرور کرے گی جس کا کفارہ اسے پوری زندگی دینا پڑے گا۔ بس علیشا کو یہ معلوم نہیں تھا' کہ حنین وہ گناہ چند ماہ پہلے ہی کر چکی تھی۔

.....❖❖❖.....

ہجر کی رات کاٹنے والے ..... کیا کرے گا اگر سحر نہ ہوئی

حنین کی ادھوری' ان کہی کال اس کے ذہن میں اٹک سی گئی تھی۔ اس صبح بھی وہ ساعت ختم ہوتے ہی کورٹ روم سے نکلنے کی بجائے کرسی پہ بیٹھ گئی اور ابا کو کال ملانے لگی۔ آج دھوپ نہیں نکلی تھی' اور سرد کمرہ عدالت میں صبح بھی بتیاں جلی تھیں۔ جسٹس صاحب اپنے چیمبرز میں واپس جا رہے تھے، اہلکار احمر شفیع نامی لڑکے کو واپس لے جانے کی تیاری کر رہے تھے، ہاشم پھر نہیں آیا تھا اور سب کا وقت ہی ضائع ہوا تھا۔ وہ اطراف میں نظریں دوڑاتی، ابا کو جاتی گھنٹی سن رہی تھی۔

''آپ نے پوچھا حنہ سے؟'' ان کا سلام سنتے ہی وہ سر جھکائے مدھم سا پوچھنے لگی۔

''میں نے کال کی تھی' وہ جلدی میں تھی' کہہ رہی تھی غلطی سے تمہیں کر دی تھی کال۔ تم پریشان مت ہو' کوئی بات نہیں ہے۔''

''اونہوں۔ کوئی بات تھی۔ وہ ٹھیک نہیں تھی۔ آپ دوبارہ پوچھنے کی کوشش کریں۔''

''تم خود اس کے گھر چلی جاؤ۔'' اور ابا کی تان یہیں آ کر ٹوٹا کرتی تھی۔ زمر نے ''رہنے دیں ابا'' کہہ کر کال کاٹی تو احساس ہوا، سپید شلوار قمیض میں کوئی اس کو سامنے آ کھڑا ہوا ہے چونک کر سر اٹھایا تو وہ احمر تھا، اہلکار بھی ساتھ تھے۔ زمر نے ادھر ادھر دیکھا۔ کمرہ خالی ہو رہا تھا۔

''میم!'' وہ ملتجی، بے چین سا انگریزی میں کہنے لگا۔ ''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

''اپنے وکیل کے بغیر آپ کو مجھ سے بات نہیں کرنی چاہیئے۔'' نرمی سے کہتی وہ اٹھی۔ پرس کندھے پہ لٹکایا۔

''پراسیکیوٹر بصیرت کہاں ہیں؟ مجھے ان کا پوچھنا ہے۔'' کہہ کر اس نے پھر اہلکاروں سے درخواست کی کہ چند لمحے مزید اس کو بات

لرنے دیں۔

''وہ ایک ہفتے کی چھٹی پہ گئے ہیں۔'' وہ موبائل پرس میں ڈالتی جانے کو مڑی۔

''مجھے غازی کے بارے میں بتانا ہے۔ فارس غازی، وہ کچھ غلط کرنے جا رہا ہے۔''

زمر کے قدم منجمند ہوئے۔ آہستہ سے اس نے گردن موڑی۔ آنکھیں سکوڑ کر اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''کیا؟''

''پہلے آپ وعدہ کریں کہ کبھی ظاہر نہیں کریں گی کہ یہ آپ کو مجھ سے معلوم ہوا ہے ورنہ فارس مجھے جان سے مار دے گا۔'' پریشانی نے کہتا' وہ آگے کو ہوا۔

''میں سن رہی ہوں۔'' وہ غور سے اسے دیکھنے لگی۔

''اس نے کچھ پلان کیا ہے۔ اسے عدالت سے امید نہیں رہی تو وہ۔۔ جیل میں کچھ لوگوں سے انتقام لینے جا رہا ہے۔ وہ کچھ ساتھیوں کے ساتھ جیل میں riots کرنے جا رہا ہے۔ اور اس فساد میں کچھ لوگ جان سے بھی جائیں گے۔''

''کیا فارس نے خود کہا یہ؟''

''جی۔ یہ وہ تمام تفصیل ہے جو مجھے معلوم ہو سکی ہے۔ وہ مجھے بھی اس میں شامل کرنا چاہتا ہے مگر میں نے ابھی اسے حتمی جواب نہیں دیا۔'' ساتھ ہی ایک مڑا تڑا کاغذ اس کی جانب بڑھایا۔ زمر نے کاغذ پکڑ کر کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''اور آپ مجھے یہ کیوں بتا رہے ہیں؟''

''مجھے پولیس پہ اعتبار نہیں ہے، کسی وکیل کو بتانا زیادہ بہتر لگا مجھے۔ آپ اس کو رنگے ہاتھوں پکڑوا سکتی ہیں۔ اب مجھے جانا چاہیے۔'' جیسے کوئی اضطراب ختم ہوا۔ وہ پرسکون سا سانس لیتا اہلکاروں کے ہمراہ مڑ گیا۔ زمر کاغذ ہاتھ میں لیے کھڑی، سوچتی نظروں سے اس طرف دیکھتی رہی جہاں سے وہ گیا تھا۔

جب وہ اپنی حوالاتی کو کوٹھڑی تک واپس لایا گیا تو سہ پہر اتر چکی تھی۔ سپاہی نے سلاخوں کا دروازہ کھولا' وہ اندر آیا' تو دروازہ مقفل کر دیا گیا۔ احمر قدم قدم چلتا دیوار تک آیا' اور پھر فرش پہ اکڑوں بیٹھ گیا۔

فارس چند قدم دور اسی طرح بیٹھا تھا۔ احمر قریب آیا تو اس نے غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

''کہاں تھے؟'' گردن موڑ کر اسے دیکھا جو قریب بیٹھا' اپنے گھٹنوں کو دیکھ رہا تھا۔

''کچہری۔''

''معلوم ہے۔ مگر۔۔ کچھ اور بھی ہوا ہے کیا؟'' وہ غور سے احمر کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''وہی جو ہونا چاہیے تھا۔''

''بک بھی چکو۔'' وہ اکتا گیا۔

احمر نے ہولے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ''میں نے انہیں بتا دیا کہ آپ جیل میں riots شروع کرنے لگے ہیں۔''

چند لمحے کوٹھڑی میں سناٹا چھا گیا۔ فضا بوجھل ہو گئی۔

''اور؟ اس نے یقین کر لیا؟'' فارس کے پوچھنے پہ احمر مسکرایا۔

''ایک ایک حرف پہ!'' اور اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔ دونوں ہلکے سے ہنس دیے۔ یہ وہ ان چند دفعہ میں سے تھا جب احمر نے اسے ہنستے دیکھا تھا۔

''گڈ!'' پھر سے سنجیدہ ہوتے ہوئے فارس نے جیب سے مڑا تڑا کاغذ نکالا' اور سامنے پھیلایا۔ پھر باہر دیکھا۔ اہلکار دور تھے۔ وہ مدھم آواز میں کہنے لگا۔

''جمعرات کی رات فیصلے کی رات ہوگی۔ اگر اس نے یقین کرلیا کہ ہم riots شروع کرنے لگے ہیں' تو وہ لوگ جیل کے شمالی حصے پہ ادھر....'' نقشے پہ ایک جگہ انگلی رکھی۔ ''اپنی نفری تین گنا بڑھا دیں گے۔ ایسے میں جنوب مشرقی دیوار پہ نفری کم ہو جائے گی۔ ہم فساد نہیں کریں گے' ہم اس طرف صرف آگ لگائیں گے۔ یہ ہمارا diversion ہوگا' اور یوں ہم جنوب مشرقی حصے سے نکل جائیں گے۔''

''جانتا ہوں۔ ہم کوئی تین سو دفعہ اپنا منصوبہ دہرا چکے ہیں۔ اب تو میں خود کو آدھا جیل سے باہر تصور کرنے لگا ہوں۔'' وہ رکا۔ فارس جو کاغذ لپیٹ رہا تھا' قدرے چونکا۔

''ایک منٹ۔ تمہارے چہرے پہ کچھ اور بھی لکھا ہے۔'' اس نے غور سے احمر کو دیکھا۔ ''کوئی مسئلہ ہے کیا؟''

''وہ.... دراصل.....'' وہ اٹکا۔ پھر اٹھ کر چند قدم مزید دور جا بیٹھا (کہ اگلی بات سن کر فارس غازی اس کا گریبان نہ جھپٹ لے) اور کان کھجاتے ہوئے سادگی سے بولا۔ ''پراسیکیوٹر بصیرت چھٹی پہ ہیں۔'' فارس کو شاک لگا۔

''تو تم یہ ساری بکواس کس سے کر کے آئے ہو؟ میں نے کہا تھا پولیس کو نہیں انوالو کرنا۔''

''وہ..... چڑیل.... کو بتایا ہے۔''

اور اس کے گویا چودہ طبق روشن ہو گئے۔ ''کیا بک رہے ہو؟ میں نے منع کیا تھا کہ.....'' وہ غصے سے چلانا چاہتا تھا مگر پہریدار قریب آ رہے تھے' سو طیش بھری آواز ذرا دبائی۔ ''اس سے کیوں کہا؟''

''اگر آپ اپنا غصہ ایک طرف رکھ کر میری بات سنیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ پوری کچہری میں سب سے زیادہ آپ کو سزا کون دلوانا چاہتا ہے؟ ظاہر ہے چڑیل۔ بصیرت صاحب شاید میری بات پہ کان ہی نہ دھرتے' مگر وہ دھرے گی' اسے اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا آپ کو سزا دلوانے کا۔ اور پھر بصیرت صاحب تھے ہی نہیں' ہفتے بعد آئیں گے اور میں ہفتے بعد ان سے کیسے ملوں گا؟ اگر درخواست کروں ملنے کی تو ان کو شک نہیں ہوگا کیا کہ اتنے علی الاعلان کیوں کر رہا ہوں؟ میرے پاس صرف آج کا دن تھا' اور میں نے وہی کیا جو بہتر لگا۔''

''اس کو استعمال کر کے جیل نہیں توڑنا مجھے۔'' وہ ناگواری سے غرایا۔ ''اس طرح تو وہ ساری عمر سمجھے گی کہ میں مجرم تھا۔''

''جب آپ جیل توڑیں گے تو سب یہی سمجھیں گے۔ پھر مسئلہ کیا ہے؟''

اور فارس چپ ہو گیا۔ دونوں ہاتھوں میں سر تھاما۔ آنکھیں بند کر کے کنپٹی مسلی۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں اس کو استعمال نہیں کرنا چاہتا۔''

''کیوں؟'' دور بیٹھے احمر نے پتلیاں سکیڑ کر اس کا چہرہ تکا۔ ''آپ دونوں کے درمیان کچھ رہا ہے کیا؟''

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ آنکھوں میں ناگواری آئی۔ ''بالکل بھی نہیں۔''

''اچھا سوری' مجھے یونہی لگا۔''

''کیا لگا؟'' اس کا سانس رک گیا تھا۔

''نہیں دراصل.... اتنا کچھ ہو جانے' اتنے سال گزر جانے' آپ سے اتنی نفرت ہونے اور آپ کے خلاف ہر جگہ بیان دینے کے باوجود بھی جب آپ اس کا ذکر سنتے ہیں تو، کچھ آتا ہے آپ کے چہرے پہ۔ اور پھر چڑیل بھی، سوری.... زمر بھی ابھی تک آپ کو ''فارس'' کہہ کر بلاتی ہے۔ اس نے ہر چیز کے بعد بھی First Name Terms ختم نہیں کیں۔''

''ایسے کسی عورت کا نام نہیں لیتے، ہر وقت فضول بک بک نہ کیا کرو۔ دماغ گھوما ہوا ہے میرا اس وقت۔''

اس نے درشتی سے ڈپٹ کر رخ پھیر لیا۔ احمر کو اب اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا' سوشا نے اچکا کر رہ گیا۔

''اچھا سوری۔ غلطی سے کہہ دیا۔ خیر۔'' پھر آرام سے لیٹ گیا، بازوؤں کا تکیہ سر تلے رکھا۔ ''آپ باہر جا کر کیا کریں گے؟ میں تو امریکہ بھاگ جاؤں گا۔ یہاں تو نوکری کر نہیں سکتا' اور.....'' وہ بولے جا رہا تھا اور فارس چہرہ موڑے' دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

.....❖❖❖.....

آپ لوگوں کے کہے پر اکھڑ جاتے ہیں ..... لوگ تو جھوٹ بھی سو طرح کے گھڑ جاتے ہیں

عین اس وقت جب وہ دونوں اس کوٹھڑی میں یوں بیٹھے تھے' چند میل دور' کاردارز کی کمپنی کے ٹاپ فلور کی راہداری میں زمر ایک بینچ پہ اکیلی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں کافی کے دو ڈسپوزیبل گلاس تھے۔ ایک سے وہ' کچھ سوچتے ہوئے وقفے وقفے سے گھونٹ بھر رہی تھی۔ دوسرے کا ہاتھ بند تھا۔ نگاہیں راہداری میں گزرتے لوگوں پہ جمی تھیں۔ دفعتاً وہ کھڑی ہوئی' کیونکہ دوسرے جانب سے ہاشم چلتا آ رہا تھا۔ ایک ہاتھ میں بریف کیس' دوسرے میں پکڑے موبائل پہ بٹن دباتا۔ زمر کے قریب وہ رکا، پہلے اس کے پیر دیکھے' پھر نظریں اٹھائیں۔ وہ بند ڈھکن کا گلاس اس کی طرف بڑھائے ہوئے کھڑی تھی۔ ہاشم کھل کر مسکرایا۔

''بغیر چینی کے؟'' گلاس پکڑتے ابرو اٹھائی۔ زمر نے سر کو خم دیا۔

''بغیر چینی کے!'' اور دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

''ویسے آپ تو شہر سے باہر گئے ہوئے تھے؟''

''آپ مجھ سے سماعت پہ غیر حاضری کی باز پرس کرنے نہیں آئیں، جانتا ہوں۔ وہ کام بتائیے جو آپ کو ادھر کھینچ لایا؟'' وہ گھونٹ بھرتے ہوئے مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ دونوں ہاشم کے آفس کی سمت جا رہے تھے

''کچھ دیر کے لئے میرے ساتھ احمر شفیع کا وکیل بنے بغیر بات کر سکتے ہیں آپ؟''

''میں سن رہا ہوں۔''

''احمر کتنا قابلِ بھروسہ انسان ہے؟''

''کافی حد تک۔'' ہاشم نے شانے اچکائے۔ ''میرے والد کے ساتھ اس نے کافی عرصہ کام کیا' گو کہ میں اسے پسند نہیں کرتا' مگر وہ ایک قابلِ اعتبار انسان ہے۔ کیوں؟'' اب غور سے ساتھ چلتی زمر کو دیکھا۔ ''کیا اس کی کسی بات پہ بھروسہ کرنے میں آپ کو دقت پیش آ رہی ہے؟''

''ہوں۔'' وہ ذرا سا مسکرائی۔ ''تو وہ ایسا شخص ہے جس پہ اعتبار کیا جا سکتا ہے؟''

''ہاں' وہ اچھا لڑکا ہے' مگر ہوا کیا ہے؟'' دونوں اب آفس کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔

''آپ کافی ختم کیجئے۔'' وہ مسکرا کر مڑ گئی تو ہاشم نے پیچھے سے پکارا۔

''میں اس مشورے کے بدلے میں ضرور کوئی فیور مانگوں گا۔''

''آپ کب بدلہ نہیں مانگتے؟'' وہ رکے بنا آگے چلتی گئی۔

''وہ ٹیپ آپ کو کہاں سے ملی؟'' ہاشم نے عقب میں پکارا۔ زمر بیچ راہداری میں رکی۔ ایڑھیوں پہ گھومی۔ اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''کونسی ٹیپ؟''

''آپ کی اور فارس کی کال جو عدالت میں پیش کی گئی۔ سعدی نے بتایا کہ وہ آپ نے نکلوا کر دی تھی۔'' گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''یہ سعدی نے کہا؟'' وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ ہاشم قدرے چونکا۔ ابرو سکیڑے۔

''کیا آپ نے نہیں نکلوا کر دی؟ کیا اس نے جھوٹ بولا؟''

''وہ جھوٹ کیوں بولے گا؟ ظاہر ہے میں نے ہی نکلوا کر دی ہے اور کہاں سے نکلوائی ہے، یہ نہیں بتاؤں گی۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ اس نے آپ کو کیوں بتایا؟ میں نے منع کیا تھا۔'' وہ زمرتھی، فوراً سنبھل گئی اور ناپسندیدگی سے بات مکمل کر کے پلٹ بھی گئی۔ ہاشم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ اگر زمر کے ہاتھ آڈیو لگی ہے اور اس کے باوجود وہ فارس کو گناہگار سمجھتی ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں، وہ بھی خوامخواہ خاور کی بات پہ ابھی تک اٹکا تھا۔ اونہوں۔ سر جھٹک کر، کافی کا گلاس پکڑے، وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔

.....❖❖❖.....

فصیل جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں ..... حدود وقت سے آگے نکل گیا کوئی

وہ رات قصرِ کاردار پہ یوں اتری کہ اپنے اندر ڈھیروں خوفناک بھید چھپائے ہوئے تھی۔ دور جنگل سے جانوروں کے بولنے کی آوازیں، پرندوں کی سہمی ہوئی چہکار، اور پھر ہر سو طاری ہو جانے والا موت کا سناٹا۔ سب اس رات میں گم سا ہو گیا تھا۔

لونگ روم میں ٹی وی چل رہا تھا، اور ہاشم صوفے پہ نیم دراز، پیر میز پہ رکھے، ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ سونیا اس کے کندھے پہ سر رکھے ترچھی لیٹی، کسی کتاب کے صفحے الٹ رہی تھی۔ شہرین جا چکی تھی اور چند دن تک سونی ادھر ہی تھی۔ اور اب وہ دونوں باپ بیٹی وہاں اکٹھے بیٹھے تھے، اس بات سے یکسر بے خبر کہ ان کے دائیں سمت، اورنگزیب اور جواہرات کے کمرے کے بند دروازے کے پیچھے کیا ہو رہا تھا۔

کمرے کے اندر مدھم زرد بتیاں جلی تھیں۔ جواہرات نائٹ گاؤن میں ملبوس، بیڈ کے ساتھ کھڑی، حیران پریشان سی ایک فائل کے صفحے پلٹا رہی تھی۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا تھا، اندر تیز سفید روشنی میں اورنگزیب کھڑے، شیو بنا رہے تھے۔ (ان کو رات کو شیو بنانے کی عادت تھی۔) بلیڈ گال پہ پھیرتے ذرا وقفہ دیا، اور گردن موڑ کر جواہرات کو دیکھا جو ہنوز شاک کے عالم میں فائل دیکھ رہی تھی۔

''اب اپنا میلوڈرامہ نہ شروع کر دینا۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں، اور اسے نہیں بدلوں گا۔''

''اورنگزیب!'' اس نے سفید پڑتا چہرہ اٹھایا اور بے یقینی سے باتھ روم میں کھڑے اپنے شوہر کو دیکھا۔ ''تم ایسا کیسے کر سکتے ہو، وہ تمہارا بیٹا ہے۔''

''جس نے مجھے بے وقوف بنا کر پیسے ہتھیانے کی کوشش کی، کم از کم وہ میرا بیٹا کہلانے کے لائق نہیں۔'' تنفر سے کہتے ریزر جھاگ لگے گال پہ پھیرا۔

جواہرات کے سفید چہرے میں سرخی ابھری اور پھر شیرنی کی آنکھیں بھی لال انگارہ ہونے لگیں۔ فائل پھینکی، اور دندناتی ہوئی باتھ روم کے دروازے تک آئی۔

''تم نے اس کے اکاؤنٹس فریز کر دیے، میں چپ رہی۔ اس سے بات نہیں کر رہے، میں چپ رہی۔ مگر تم اس کی کمپنی اس سے واپس لے رہے ہو، تم اس کو قلاش کر رہے ہو، میں اس پہ چپ نہیں ہوں گی۔'' وہ غصے سے پھنکاری تھی۔

''اپنی معلومات میں مزید اضافہ کر لو۔'' آئینے میں خود کو دیکھتے اورنگزیب نے تھوڑی پہ ریزر پھیرا۔ ''میں اس کو یہاں سے بھیج رہا ہوں۔ مجھے وہ اپنے اردگرد برداشت نہیں ہے۔''

''وہ تمہارا بیٹا ہے۔'' وہ چلائی۔ ساؤنڈ پروف دیواروں نے تمام آوازیں دبا لیں۔ باہر لاؤنج میں بیٹھے ہاشم اور سونیا بے خبر ٹی وی دیکھتے رہے۔ باتھ روم کے عین اوپر، ہاشم کی بالکونی میں کھڑی، پودوں کو پانی دیتی میری اینجیو بھی بے خبر، گنگناتی ہوئی پانی دیتی رہی۔

''اس لئے اسے اب ایک عرصہ میرے بغیر رہنا ہوگا۔ خود کمائے گا، خود کھائے گا۔''

''یہ سزا ہے' یہ انتقام ہے۔''

''تم چاہو تو اپنے بیٹے کے ساتھ جا سکتی ہو۔'' اس بات پہ جواہرات نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''تم ہو کون مجھے یہاں سے نکالنے والے؟'' وہ سرخ آنکھوں سے غرائی تھی۔

''میں اس گھر کا مالک ہوں۔''

''تم ایک احسان فراموش' بے حس اور گھٹیا انسان ہو۔'' وہ حلق کے بل چلائی تھی۔ سانس بے ترتیب ہو رہا تھا' اور آنکھیں لال۔ اورنگزیب کے کان سرخ ہوئے' غصے سے اسے دیکھا۔ وہی غصہ جو ورثے میں نوشیرواں اور فارس نے لیا تھا۔

''اپنے کام سے کام رکھو۔ اور اپنے بیٹے سے کہو کہ کاغذات پہ دستخط کر دے' ورنہ مجھے دوسرے طریقے بھی آتے ہیں۔''

''تم ایسا نہیں کرو گے۔'' وہ چوکھٹ پہ ہاتھ سختی سے جمائے' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غرائی۔ ''ہاشم ایسا نہیں ہونے دے گا۔''

''میں مالک ہوں' ہاشم نہیں۔ تمہارے بیٹے کیا' میں تمہیں بھی ہر شے سے بے دخل کر سکتا ہوں۔''

''تمہاری سوچ ہے!'' نفرت سے انہیں دیکھا۔

''نوشیرواں اب ادھر نہیں رہے گا۔ میری طرف سے وہ آزاد ہے۔ جیسے میں نے محنت کر کے کمایا' وہ بھی کما لے۔''

''محنت؟ ہونہہ' میرے باپ کے ٹکڑوں پہ پلنے والے ہو تم! یہ سب میرے باپ کا تھا' تم اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔'' وہ شدید حقارت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اورنگزیب غصہ ضبط کیے اسے دیکھتے رہے' پھر سر کو اثبات میں ہلایا۔

''میں مزید کیا کر سکتا ہوں، بتاؤں تمہیں؟ میں علیشا کو اس گھر میں لا سکتا ہوں۔ بلکہ اچھا کیا' تم نے فیصلے میں میری مدد کر دی۔ ہاشم تو ویسے بھی اس کی فیس دینے کا سوچے ہوئے ہے' وہ اس فیصلے سے بہت خوش ہوگا۔'' اس کو مزید اشتعال دلا کر وہ دوبارہ آئینے میں دیکھتے' شیو کرنے لگے' اور چوکھٹ میں کھڑی' نائٹ گاؤن میں ملبوس جواہرات کا پورا جسم جل کر بھسم ہو گیا۔

لب بھینچے' گہرے گہرے سانس لیتی' سرخ دہکتی آنکھیں اورنگزیب پہ جمائے کھڑی اس زخمی شیرنی کے اندر ایک جوار بھاٹا سا پلنے لگا۔ برسوں کا دبا لاوا ابلنے لگا۔ اتنا زیادہ کہ اس کے تیز ہوتے تنفس کی آواز اورنگزیب کو بھی آنے لگی۔ نظریں موڑ کر اسے اسی حقارت سے دیکھا۔

''اپنی بدصورت شکل لے کر تم بھی یہاں سے چلی کیوں نہیں جاتیں؟''

''کون کہاں جائے گا' یہ فیصلہ اب میں کروں گی!'' نفرت سے کہتی وہ پیچھے ہٹی۔ ''میں ساری عمر تمہاری ہر بری بات برداشت کرتی رہی، لیکن تم مجھے اور میرے بیٹے کو یہاں سے بے دخل کرنا چاہتے ہو، اب تم دیکھو کہ میں کیا کرتی ہوں۔'' پیچھے ہٹتی گئی یہاں تک کہ ڈریسنگ ٹیبل تک آ رکی۔ وہاں سامنے' اس کا ہیئر Straightening آئرن راڈ رکھا تھا۔ وہ کوئی عقل و خرد سے بے گانہ لمحہ تھا جب اس نے راڈ اٹھائی' اور کمر کے پیچھے کر لی۔ پھر قدم قدم چلتی باتھ روم کی چوکھٹ تک آئی۔

اورنگزیب کے آدھے چہرے پہ ابھی فوم تھا۔ گال پہ کوئی کٹ لگا تھا جس کو صاف کرنے کے لیے وہ ٹشو لینے نیچے جھکے' تبھی ان کی بھلی گردن کے پیچھے' آئینے میں جواہرات کا چہرہ ابھرا۔ نفرت اور غضب سے بھری آنکھوں سے پُر چہرہ۔ اورنگزیب ٹشو اٹھا کر سیدھے ہوئے' تو ٹھٹھکے۔ مگر.....

جواہرات نے پوری قوت سے آئرن راڈ ان کے سر کی پشت پہ ماری۔ وہ لڑکھڑائے اور دائیں جانب جا گرے۔ ٹائلز کے فرش پہ پہلو کے بل۔ کہنی کے بل۔ ایک کٹ کنپٹی پہ لگا' اور پھر سیدھے ہوئے۔ جہاں جواہرات نے مارا تھا' وہ جگہ فرش سے آ لگی۔ خون نکل نکل

کر بہنے لگا۔

جواہرات' ہاتھ میں آئرن راڈ پکڑے' انہی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی' اور وہ اس کے قدموں کے پاس بے یقین سے گرے پڑے تھے۔

''جا.....جوا.....'' الفاظ اٹک اٹک کر نکلے۔ درد سے بولنے کی کوشش کی' اپنا ہاتھ اٹھا کر بڑھانا چاہا' کہ وہ ان کو تھامے' تھام کر اٹھائے' مگر وہ چوکھٹ پہ کھڑی رہی۔ لب بھینچے' شعلہ بار نظروں سے انہیں دیکھتی۔

غریبی میں' اور امیری میں،

بیماری میں اور صحت میں ہم ساتھ رہیں گے۔

حتیٰ کہ موت ہم کو جدا کر دے۔

اور وہ ان کے ساتھ ہی کھڑی تھی مگر موت ابھی جدا کرنے نہیں آ رہی تھی۔ گہرے گہرے سانس لیتے اور نگزیب کا خون نکلنا رک گیا تھا۔ چوٹ شدید تھی' مگر جان لیوا نہیں' انہوں نے ہتھیلی کے بل اٹھنے کی کوشش کی۔ جواہرات چونکی' پھر فوراً پیچھے ہوئی۔ واپس کمرے میں آئی۔ صوفے پہ رکھا کشن اٹھایا۔ واپس اورنگزیب تک آئی۔ وہ اٹھنے کی ناکام کوشش اور تکلیف کے احساس سے ہانپنے لگے تھے۔ ان کے سر کے قریب' وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی اور' کشن ہاتھ میں پکڑے' ان کے اوپر جھکی۔

''مجھے تمہارے ساتھ یہ بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔'' کشن اورنگزیب کے منہ پہ جما کر دبایا' یوں کہ آنکھیں کشن سے باہر تھیں اور ان آنکھوں میں بے پناہ بے یقینی امڈ آئی۔ وہ بے اختیار اپنے بے جان ہاتھوں سے اس کی انگلیاں ہٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ چیخیں' آوازیں' سب کشن کے اندر دب گیا۔ وہ چہرہ ان کے کان کے قریب کیے کہہ رہی تھی۔

''کیا تم جانتے ہو میں نے اور ہاشم نے تمہارے لئے کیا کچھ کیا؟''

ہولے سے کہتے اس نے کشن مزید زور سے دبایا۔ مزاحمت کرتے اورنگزیب اس کے ہاتھ کو پکڑے' پاؤں ادھر ادھر مار رہے تھے۔

''ہم نے وہ کیا تھا جس کا الزام فارس کو لینا پڑا۔ ہاشم نے مروایا تھا ان دو لوگوں کو۔ کیا تم نے سنا؟ تمہارا بھانجا بے گناہ تھا۔ کیا تم نے سنا؟ ہاشم نے کیا تھا یہ سب۔ اور میں بھی اس میں شامل تھی۔ کیا تم نے سنا؟''

اورنگزیب کے پاؤں ساکت ہو گئے تھے۔ جواہرات کے ہاتھوں کو ہٹاتے ہاتھ بھی ٹھہر گئے تھے۔ جواہرات نے چہرہ اٹھا کر دیکھا' ان کی بے یقینی اور دکھ سے پھیلی آنکھیں ساکت تھیں۔ سانس نکل چکا تھا' مگر کیا آخری بات انہوں نے سنی تھی؟ کیا پہلے سانس نکلا تھا یا پہلے دل نے صدمے سے کام کرنا چھوڑا تھا؟

اس نے کشن ہٹایا۔ چونکہ ان کے سر سے نکلتا خون فرش پہ دوسری طرف کو جا رہا تھا' سو جواہرات کے کپڑوں پہ خون کا کوئی نشان نہیں لگا تھا۔ وہ آہستہ سے کھڑی ہوئی۔ اورنگزیب کی کھلی آنکھیں' کھلے لب' اور بے حس و حرکت وجود اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ ایک ہاتھ میں اسٹریٹنر راڈ' اور دوسرے میں کشن لئے کھڑی جواہرات کے سنگدل چہرے کے رنگ بدلنے لگے۔ ایک دم چونک کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

وہ باتھ روم میں کھڑی تھی' اس نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا تھا' اور اس کا بیٹا چند قدم دور دیوار کے پار موجود تھا۔

''اوہ خدایا۔'' وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ ہراساں نظروں سے اورنگزیب کی لاش کو دیکھا۔ اس کے چہرے پہ پسینہ آنے لگا تھا۔ اوہ خدا.....اب وہ کیا کرے؟

جواہرات سینے پہ ہاتھ رکھے' اپنی بے ترتیب دھڑکنیں سنتی کتنی دیر دیوار سے لگی کھڑی' تیز سانسیں لیتی رہی۔ بمشکل اعصاب بہتر ہوئے تو وہ باتھ روم سے نکلی۔ کمرے کے دروازے تک آئی۔ اسے ذرا سا کھولا۔ درز سے باہر صوفے پہ بیٹھے ہاشم اور سونیا نظر آئے۔ اس نے

جلدی سے دروازہ بند کر کے لاک کر دیا۔ وہ اس کا ہر مسئلہ سنبھال لیا کرتا تھا' مگر آج وہ ہاشم کو نہیں بلا سکتی تھی۔ اسے جو کرنا تھا' خود کرنا تھا۔

کشن اور آئرن راڈ اورنگزیب کی لاش کے ساتھ ہی گرے تھے۔ وہ تیزی سے اندر آئی' خون کے تالاب سے پیر بچاتی وہ دونوں چیزیں اٹھائیں' ڈریسنگ روم کی واڈروب کھولی' اوپری خانے میں پیچھے کر کے ان کو گھسایا' الماری بند کر کے لاک کی اور پھر مڑی تو بیڈ کنارے گری فائل نظر آئی۔ وہ جو فساد کی جڑ تھی۔ پھرتی سے اس کو بھی دراز میں گھسایا۔ پھر آگے آئی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔

ریشمی گاؤن کندھوں سے ڈھلک رہا تھا' چہرہ سفید تھا' بالکل مردہ اور آنکھیں.... نہیں.... اس کی آنکھیں نا قابل بیان تھیں۔ ان کی کیفیت لکھی نہیں جا سکتی۔

وہ باتھ روم میں داخل ہوئی۔ سنک کے اوپر کھڑے نل کھولا۔ چہرے پہ پانی ڈالا۔ پھر اسے تولیے سے تھپتھپایا۔ قدرے سکون آیا۔ سنک کے مرمریں پتھر پہ ہاتھ رکھے' اس نے نیچے دیکھا۔ اورنگزیب کی کھلی آنکھوں والی لاش ہنوز پڑی تھی۔

اب اسے کیا کرنا تھا؟ یہ..... یہ اس نے نہیں کیا تھا۔ یہ صرف اور صرف ایک حادثہ تھا۔ اور اسے حادثہ کیسے بنانا تھا؟

جواہرات کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔ اس نے پہلے باتھ روم کے دوسرے دروازے کو دیکھا جو پچھلے برآمدے میں کھلتا تھا۔ اور پھر واپس کمرے میں آئی۔ کمرے کا بھی ایک دروازہ پچھلے برآمدے میں کھلتا تھا۔ جواہرات نے اس دروازے کی چٹخنی گرا دی اور پھر سے باتھ روم میں آئی۔ دروازہ اندر سے بند کیا۔

''یہ اس طرح اورنگزیب نے لاک کیا ہوگا، پھر وہ شیو بنانے لگے ہوں گے۔'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے شیو کے سامان کو سنک کے سلیب پہ پھیلایا۔ ریزر اورنگزیب کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا تھا' اس نے وہ اٹھا کر ان کے ٹھنڈے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ ان کا چہرہ دیکھنے سے احتراز برت رہی تھی۔

''اور شیو کے دوران انہوں نے نہیں دیکھا کہ یہ ٹوٹنی لیک ہو رہی ہے۔'' کہتے ہوئے سنک کے نیچے جھکی' وہ نیچے سے کھلا تھا' اس نے پائپ میں ریزر سے ہلکا سا کٹ لگایا۔ پانی دھار کی صورت ٹپکنے لگا۔ وہ اس طرف جا رہا تھا جہاں اورنگزیب کا وجود گرا پڑا تھا۔ ''اور پھر اس پانی سے وہ پھسل گئے' سر پہ چوٹ لگی اور.....'' بڑبڑاہٹ روکی، ان کی لاش کے ایک طرف سے احتیاط سے پھلانگ کر وہ باتھ روم کے دوسرے دروازے تک آئی جو برآمدے میں کھلتا تھا۔

اس نے سوچا کہ ایک آخری نظر مڑ کر اورنگزیب کو دیکھے مگر.... وہ پلٹے بنا دروازہ کھول کر باہر آئی اور اسے احتیاط سے اپنے پیچھے بند کیا۔

باہر سرد ہوا ہر سو چل رہی تھی۔ ریشمی گاؤن کو خود پہ لپیٹے' اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس طرف سی سی ٹی وی کیمرے نہیں تھے۔ آس پاس کوئی ملازم بھی موجود نہیں تھا۔ وہاں اندھیرا اور سردی تھی۔ نیچے فارس کی انیکسی بھی اندھیرے میں ڈوبی دکھائی دیتی تھی۔ جواہرات سے چند قدم کے فاصلے پہ کمرے کا دروازہ تھا جس کی چٹخنی اس نے اندر سے گرا رکھی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے' سر جھکائے' وہ دروازے کی طرف جا رہی تھی' جب ''مسز کاردار۔'' آواز پہ وہ کرنٹ کھا کر اچھلی' ادھر ادھر دیکھا۔ پھر.... گردن اٹھائی۔ اوپر' ہاشم کی بالکونی میں پودوں کو پانی دیتی میری جھکی کھڑی تھی۔

''آپ اتنی ٹھنڈ میں باہر ہیں۔ کیا میں آپ کو شال لا دوں؟''

وہ فکرمندی سے کہتی پانی کی بکٹ رکھنے لگی۔ جواہرات نے سفید پڑتے چہرے پہ بمشکل مسکراہٹ لانے کی کوشش کی۔

''نہیں' میں اندر جا رہی ہوں۔ یہ پودے دیکھنے آئی تھی۔'' برآمدے میں قطار میں رکھے پودوں کی طرف اشارہ کیا۔ خواہ مخواہ کی وضاحت۔

''میں نے ان کو وقت پہ پانی دے دیا تھا۔''

''اوکے۔تم ایسا کرو' اورنگزیب کے لئے کافی بنا دو۔ وہ ابھی شاور لیں گے' سو پندرہ بیس منٹ تک لے آنا۔'' اور پھر بدقت مسکرائی۔سانس ابھی تک اٹکا تھا۔میری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔اورنگزیب صرف اس کے ہاتھ کی کافی پیتے تھے۔جواہرات کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئی اور پھر پشت دیوار سے لگا کر آنکھیں بند کیے گہرے سانس لینے لگی۔

میری نے کچھ نہیں دیکھا' میری نے کچھ نہیں دیکھا۔اس نے خود کو تسلی دی۔پھر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف آئی۔اسٹول پہ بیٹھی۔اسلحہ اٹھایا۔چہرے پہ پاؤڈر کیا۔آنکھوں میں مسکارا۔اور ہونٹوں پہ ہلکی سی لپ اسٹک۔مسکرانے کی کوشش کی۔کیا وہ بہتر لگ رہی تھی یا اس کی آنکھیں ابھی تک کھوکھلی دکھ رہی تھیں؟

گاؤن کی ڈوری کسی اور موبائل اٹھائے وہ باہر نکلی۔ہاشم اور سونیا بدستور اسی طرح بیٹھے تھے۔ٹی وی چل رہا تھا۔

''ہاشم' میرا جی میل نہیں کام کر رہا۔کیا تم اسے فکس کر دو گے۔'' موبائل فکرمندی سے کہتے اس کی طرف بڑھایا۔وہ جو ابھی ماں کے چہرے کو دیکھ بھی نہ پایا تھا' نگاہیں موبائل پہ جھکا دیں' اور اسے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''کیا مسئلہ ہے۔'' اسکرین پہ انگلی چلاتا دیکھنے لگا۔جواہرات اس کے قریب صوفے پہ بیٹھی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی' انگلیاں باہم ملائیں' گویا ان کی لرزش روکنے کی سعی کی۔

''میلز سینڈ نہیں ہو رہیں۔اپنے اکاؤنٹ کی طرف کچھ بھیج کر دیکھو۔''

''اوکے۔'' وہ ٹائپ کرنے لگا۔''یہ ہاشم ہے مام کے فون سے'' لکھا اور اپنے ای میل پہ بھیجا۔

''چلی گئی۔شاید کوئی وقتی ایرر ہو۔'' مسکرا کر کہتے موبائل اس کی طرف بڑھایا۔جواہرات نے بدقت مسکراتے اسے تھاما۔وہ پھر سے ٹی وی دیکھنے لگا۔

''تمہاری اپنے ڈیڈ سے کوئی بات ہوئی؟''

''شیرو کے بارے میں؟ نہیں' میں ان کے غصے کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کرنا چاہتا ہوں۔''

''علیشا کے بارے میں۔'' وہ ذرا توقف کے بعد اٹک اٹک کر کہنے لگی۔نگاہیں ٹی وی اسکرین پہ جمی تھیں۔''تم اس کی فیس دینے لگے ہو' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔اپنے ڈیڈ سے ایک دفعہ کھل کر بات کر لو۔کیا پتہ وہ خود بھی دل سے یہی چاہتے ہوں' اور اسی بہانے شیرو کو معاف کر دیں۔'' بولتے ہوئے اسے لگا اسے گردن پہ پسینہ آ رہا ہے' اور شاید ہتھیلیوں کے اندر بھی۔دل بھی دھک دھک کر رہا تھا۔

ہاشم آنکھیں ٹی وی پہ جمائے چند لمحے خاموش رہا۔

''اب نہیں دے رہا فیس۔ضرورت نہیں رہی۔''

وہ چونکی۔''کیوں؟''

''اس نے پیسے کے لئے جرم کیا' پکڑی گئی' اب جیل میں ہے اور یونیورسٹی جانے کی ضرورت نہیں رہی۔''

جواہرات دم سادھے اسے دیکھے گئی۔اسے یوں لگا' آنسو آنکھوں سے ابلنے کو بے تاب تھے' مگر اس نے انہیں نگل لیا۔

''آئی.....آئی ایم سوری!'' ہاشم نے بس سر کو خم دیا اور اسکرین کی طرف دیکھتا رہا۔

وہ دونوں کچھ نہیں بولے' حتیٰ کہ میری کافی کی ٹرے اٹھائے آئی۔

''سوری مجھے دیر ہو گئی' میرے بیٹے کا فون آ گیا تھا۔'' وہ عادتاً وضاحت دیتی کمرے کی جانب بڑھی۔

''کاردار صاحب سے کہنا' باہر آ جائیں' ہاشم نے ان سے کچھ بات کرنی ہے۔'' جواہرات نے پکارا۔وہ سر ہلا کر اندر چلی گئی۔چند

ہی لمحوں بعد باہر نکل آئی۔

''سر باتھ روم میں ہیں' میں نے کافی ٹیبل پہ رکھ دی ہے۔''

جواہرات نے (ہاتھوں کی نمی مٹھی میں چھپاتے) تعجب سے اسے دیکھا۔

''ابھی تک نکلے نہیں؟ شاید شیو بنانے لگے ہوں۔ او کے تم جاؤ۔'' اور جیسے سر جھٹک کر خود ہی مطمئن ہوگئی۔

''میں ان سے ابھی اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتا۔'' کافی دیر بعد وہ بولا۔ دیکھ ہنوز ٹی وی کو رہا تھا۔

''مگر تمہیں کرنی چاہیے۔'' وہ نرمی سے بولی۔ تو ہاشم چپ رہا۔ چند منٹ یونہی بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اٹھا۔

''او کے۔'' پھر اورنگزیب کے کمرے کی جانب بڑھا۔ جواہرات کا میک اپ سے ڈھکا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ زور سے صوفے کی گدی مٹھی میں بھینچی۔ سانس روکے' ہاشم کو اندر جاتے دیکھا۔

اس نے دروازہ کھولا۔ کمرہ خالی تھا۔ کافی میز پہ دھری تھی۔ ادھر ادھر گردن گھمائی۔ باتھ روم کا دروازہ بند تھا۔ ہاشم واپس پلٹ آیا۔ پوکھٹ میں ایک دم وہ ٹھہرا۔ جواہرات اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''ڈیڈ کتنی دیر سے اندر ہیں؟''

''کیا ابھی تک نہیں نکلے؟'' وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔ چہرے پہ در آتی پریشانی چھپا نہیں سکی۔

''وہ اتنی دیر کبھی بھی نہیں لگاتے۔'' ہاشم ایک دم مڑا۔ اور باتھ روم کے دروازے تک آیا۔ اسے کھٹکھٹایا۔ پہلے ہلکا۔ ''ڈیڈ؟'' پھر زور سے ''ڈیڈ؟ ڈیڈی؟ آپ ٹھیک ہیں؟''

جواہرات تیزی سے اس تک آئی۔ ''اورنگزیب؟'' کانپتی آواز میں پکارا۔ ہاشم اب پریشانی سے دروازہ دھڑ دھڑا رہا تھا۔

''اس دروازے کی چابی کدھر ہے۔''

''نہیں' وہ چٹخنی چڑھاتے ہیں عموماً۔''

وہ اب زور سے دروازے پہ ہاتھ مارنے لگا۔ ساتھ ان کو پکار بھی رہا تھا۔ شور سن کر میری بھاگی چلی آئی۔

''ڈیڈ دروازہ نہیں کھول رہے میری' تم برآمدے والا دروازہ چیک کرو' وہ کھلا ہے کیا؟'' وہ زور سے دروازے کو بوٹ سے ٹھوکر مارتے بولا۔ میری ہکا بکا آگے بڑھی کہ ''میں وہ دروازہ دیکھتی ہوں' تم شیرو کو بلاؤ۔ جاؤ میری!'' جواہرات کو قدرے چلا کر کہنا پڑا۔ میری کو سمجھ نہیں آیا کہ کیا کرے' مگر چونکہ جواہرات خود برآمدے کی طرف جانے لگی تھی تو وہ فوراً لاؤنج میں بھاگی۔

جواہرات چند ہی لمحے بعد واپس آگئی۔

''وہ دروازہ بھی بند ہے۔'' اس نے جھوٹ بولا۔ ہاشم نے سنا بھی نہیں' وہ دیوانہ وار باپ کو پکارتے دروازے پہ بوٹ مار رہا تھا۔

''ڈیڈ۔ آپ اندر ہیں؟ ڈیڈ؟'' اور تبھی شیرو بھاگتا ہوا اندر آیا۔ میری بھی اس کے پیچھے تھی۔

''تمہارے ڈیڈ....'' جواہرات نے اسے صورتِ حال سمجھانی چاہی مگر آنسوؤں نے گلا بند کر دیا۔ اسے سمجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

''ڈیڈی؟ ڈیڈی؟'' وہ ہاشم کے ساتھ' اسی دیوانہ وار انداز میں اونچا اونچا پکارتا دروازے کو دھکا دینے لگا۔

''خاور کہاں ہے؟'' جواہرات کے پوچھنے پہ میری بتانے لگی۔

''وہ تو گھر جا چکا ہے۔ اسے کال کروں؟''

''ضرورت نہیں ہے۔''

(اور جو آخری شخص وہ ادھر چاہتی تھی وہ خاور تھا۔)

ڈیڈ.....ڈیڈ.....'' ان کو پکارتے ہوئے ہاشم نے پوری قوت سے دروازے کو ٹھوکر ماری تو چٹخنی ٹوٹی' وہ اڑتا ہوا دوسری جانب جا لگا' اور اندر کو لڑھکتا ہاشم گرتے گرتے بچا۔

اور پھر اسے لگا' اس کے جسم سے جان نکل گئی ہے۔

فرش پہ خون تھا۔ اور چت گرے' کھلی آنکھوں والے اورنگزیب کا ردار۔ ان کی آنکھیں بالکل ساکت تھیں۔ چہرہ بے رنگ۔

نوشیرواں بچوں کی طرح چیختا ان کو پکار رہا تھا' اور ہاشم۔۔ وہ بے دم سا گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ میری نے چیخ روکنے کو دونوں ہاتھ منہ پہ رکھ لئے۔ پھر نگاہیں اٹھیں۔ برآمدے کی طرف کے دروازے کی چٹخنی کھلی تھی۔

''میری.... ہاسپٹل.....ڈاکٹر.... کسی کو کال کرو۔'' آنسو ابل ابل کر جواہرات کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ میری کا لمحے بھر کو کنڈی پہ الجھا ذہن وہاں سے ہٹا اور وہ فوراً باہر بھاگی۔ جواہرات نے سفید' بھیگے' چہرے کے ساتھ اندر قدم رکھا۔ شیروان کا چہرہ تھپتھپا رہا تھا۔ شاید رو بھی رہا تھا' ان کو بار بار پکار رہا تھا' اور ہاشم بالکل ساکت سا ان کے قریب بیٹھا تھا۔ ان کے بے جان' لڑھکے ہوئے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔

جواہرات قدم قدم چلتی اورنگزیب کے سر کے قریب آ کھڑی ہوئی' اس کے دونوں بیٹے باپ پہ جھکے تھے۔ دونوں میں سے کوئی بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ قدم قدم پیچھے ہٹی' جیسے شاک اور بے یقینی سے ہٹ رہی ہو' یہاں تک کہ اس کی پشت پہ برآمدے کا دروازہ آ گیا۔ اس نے نامحسوس انداز میں ہاتھ پیچھے کیا' چٹخنی لگائی (جس کی آواز شیرو کے زور زور سے باپ کو پکارنے کے شور میں دب گئی) اور پھر وہ آہستہ آہستہ چلتی اورنگزیب کے سر کے قریب آئی۔

''کوئی آ کیوں نہیں رہا؟ ممی کسی کو بلائیں۔ ڈیڈی کو ہاسپٹل لے کر جانا ہے۔'' شیرو آستین سے آنکھیں رگڑتا کہہ رہا تھا۔ ''یہ کیا ہوا ہے ڈیڈی کو؟''

''ہی از ڈیڈ' شیرو۔'' ہاشم نے بے جان سا کہتے ہوئے باپ کے ہاتھ کو تھاما۔ جیسے ہی ان کی جلد کو مس کیا' ہر سو کرب سا پھیل گیا۔ ''ہم باہر بیٹھے رہے' اتنے قریب' اور وہ اکیلے تھے۔ وہ پھسل گئے....'' اس نے اردگرد گرے پانی کو دیکھا۔ ''اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلا۔'' وہ سرخ ہوتی آنکھوں سے کہتا اٹھا' اور سہارا دے کر باپ کو اٹھانے لگا۔ نوشیرواں نے دوسرے کندھے سے انہیں تھاما۔ اور لوگ اسی دن کے لئے تو بیٹے مانگتے ہیں!

میری واپس آ گئی تھی۔ ہاشم اور شیرو' اورنگزیب کو باہر لا رہے تھے۔

میری کی نگاہیں سب سے پہلے برآمدے کے دروازے تک گئیں۔ چٹخنی بند تھی۔ مگر اس نے ابھی تو دیکھا تھا کہ.....لیکن سوچنے کی مہلت نہیں ملی۔ کیونکہ جواہرات جو' بالآخر ہر بوجھ سے آزاد ہو کر' ساری کارروائی کامیابی سے اپنے رنگ میں دکھا کر' نڈھال سی ہو گئی تھی' اور شاید اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور گرنے کو تھی۔ کہ میری نے ''مسز کاردار'' چلاتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کو تھاما۔

ہر شے سے بے نیاز' اس کا ذہن بھیانک تاریکی میں ڈوب رہا تھا' اور آنکھوں سے پانی برابر گر رہا تھا۔

اورنگزیب۔۔۔ آئی ایم سوری۔۔۔

.....❖❖❖.....

بے کراں تنہائیوں کا سلسلہ رہ جائے گا ..... تیرے میرے درمیان بس اک خلا رہ جائے گا

نیند کی کئی قسمیں ہوتی ہیں' جس قسم میں اس وقت جواہرات ڈوبی تھی وہ بہت تکلیف دہ تھی' اور اس سے جاگنا اس سے بھی زیادہ کرب آمیز۔ آنکھیں کھولیں تو وہ اپنے بیڈ پہ مخملیں لحاف میں لیٹی تھی۔ پلکیں جھپکا جھپکا کر ارد گرد دیکھتے' وہ کہنیوں کے بل اٹھی۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ پہلے لگا وہ سب خواب تھا' مگر نہیں۔ حقیقت لمحے بھر میں ہی سامنے ناچنے لگی۔

وہ کمرے میں تنہا تھی مگر یقیناً گھر میں بہت لوگ جمع تھے۔ اس نے پیر زمین پہ رکھے۔ سائیڈ ٹیبل پہ دوائیں دھری تھیں۔ اسے سکون اور انجکشن دے کر ڈاکٹر آفتاب ملک نے سلایا تھا۔ ان کے فیملی ڈاکٹر۔ سرکاری ہسپتال میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ۔ جن کو سب سے پہلے بلایا گیا تھا۔ یہ نام ذہن میں آیا تو جھماکا سا ہوا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

خوف اور وحشت نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ڈاکٹر دھوکہ کھا جائے گا کیا؟ شاید نہیں۔

بمشکل قدم قدم چلتی وہ دروازے تک آئی' ذرا سا کھولا تو باہر ہاشم اور خاور کھڑے نظر آئے۔ وہ آپس میں بات کر رہے تھے۔ ابھی تدفین نہیں ہوئی تھی اور میت کے گھر آنے والوں کا انتظام کھلے سبزہ زار میں تھا۔ جواہرات نے دروازے کے پیچھے کان لگا کر سنا۔ خاور کہہ رہا تھا۔

''موت سے پہلے وہ فیروز حیات کی پارٹی سے آئے تھے۔ مجھے ڈر ہے انہوں نے سر کو کچھ ڈرگز نہ پلا دی ہوں۔ ہمیں پوسٹ مارٹم کروانا چاہیے' تاکہ اگر وہ کسی اور وجہ سے پھسلے ہوں تو وہ سامنے آجائے۔''

''میں اپنے باپ کی لاش کی بے حرمتی نہیں ہونے دوں گا۔'' وہ سیاہ کرتے اور سفید شلوار میں ملبوس تھا' آنکھوں میں سختی تھی مگر چہرہ اداس ویران سا تھا۔

''سر' وہ اتنے کمزور نہیں تھے کہ گریں تو اٹھ نہ سکیں۔ ڈاکٹر آفتاب خود اصرار کر رہے ہیں کہ پوسٹ مارٹم کروانا چاہیے، تو آپ کو کروانا چاہیے۔''

ہاشم نے اب کی بار انکار نہیں کیا۔ اس کی خاموشی نیم رضامندی تھی۔ جواہرات نے گہری سانس لی اور دروازہ پورا کھولا۔ باہر نکلی۔ دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ہاشم فکرمندی سے آگے بڑھا۔

''ممی' آپ ٹھیک ہیں؟'' نرمی سے اس کو شانوں سے تھاما۔ خاور نے افسوس سے تعزیت کی۔

''اورنگزیب کہاں ہے؟ منع مت کرنا' میں ہوش نہیں کھوؤں گی' کچھ دیر اس کے پاس بیٹھنا چاہتی ہوں۔'' اس نے بھی اتنی نرمی سے کہا کہ وہ اسے کندھوں سے تھامے راہداری میں آگے لے آیا۔ یہاں ایک بیڈ روم میں ڈاکٹر آفتاب میت کے ہمراہ کھڑے تھے۔ وہ اندر آئی اور ملازموں کو باہر نکل جانے کو کہا۔ ہاشم اور میری سمیت سب نکلے اور دروازہ بند کر دیا تو اورنگزیب کے سرہانے کھڑی جواہرات ڈاکٹر آفتاب کی جانب گھومی۔ وہ دونوں اب اکیلے تھے۔

''تو آپ کہہ رہے ہیں کہ پوسٹ مارٹم کروانا چاہیے؟'' وہ تیکھی نظروں سے انہیں گھورتی' ایک دم پھنکاری تھی کہ وہ جو تعزیت کرنے لگے تھے' تعجب سے اسے دیکھنے لگے۔

''جی' کیونکہ جو زخم ان کے....''

''طوبیٰ یاد ہے کون تھی؟''

ڈاکٹر آفتاب کو گویا لقوہ ہو گیا' ہکا بکا سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے' چبھتی نظروں سے دیکھتی ان کے قریب آئی' بالکل مقابل یہاں تک کہ واضح محسوس ہونے لگا کہ وہ ان سے دراز قد تھی۔

''طوبیٰ آپ کی بیوی کے پہلے شوہر سے ہوئی بیٹی تھی۔ یاد ہے آپ نے کیسے اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اور میں نے اسے کوراپ کرنے میں آپ کی کیسے مدد کی تھی؟ آپ کی بہت ساری گفتگو ریکارڈ ہے میرے پاس۔ کیا سنوا دوں آپ کے بچوں کو؟''

ڈاکٹر آفتاب نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا' پھر پریشانی سے اس کے قریب آئے۔

''مسز کاردار' وہ میرے اور آپ کے درمیان تھا!''

''تو پھر جیسے وارث غازی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ آپ نے بدلوائی تھی' ویسے ہی یہ رپورٹ بھی میری مرضی کی لکھی جائے گی۔ سمجھ آ

رہا ہے کہ میں کیا بات کر رہی ہوں؟''

ڈاکٹر آفتاب کا سر خود بخود اثبات میں ہلا۔ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

باہر سب لوگ بکھر چکے تھے۔ ہاشم برآمدے میں جا کھڑا ہوا تھا۔ سبزہ زار میں بیٹھے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ وہیں کھڑا دور پہاڑوں پہ طلوع ہوتا صبح کا سورج دیکھنے لگا۔

''ہاشم بھائی!'' وہ کب اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا' اسے علم نہیں ہوا۔ سعدی کے پکارنے پہ چونکا۔ وہ جیسے خبر ملنے پہ آفس کے راستے سے ہی ادھر آ گیا تھا۔

''بہت افسوس ہوا مجھے۔ کیسے ہوا یہ سب؟'' وہ تاسف سے پوچھ رہا تھا اور پژمردہ کھڑا ہاشم آہستہ آہستہ بتانے لگا۔

''آئی ایم سوسوری ہاشم بھائی۔ میں سمجھ سکتا ہوں جب آپ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے ہوں گے اور ان کی نعش دیکھی ہوگی تو کیسا محسوس ہوا ہوگا۔ فارس غازی نے بھی ایسا ہی محسوس کیا ہوگا جب وہ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوا تھا اور اس کے بھائی کی لاش پنکھے سے جھول رہی تھی۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔'' اور بہت سادگی سے کہتے اس نے ہاشم کا کندھا تھپتھپایا۔ وہ ایک دم چونک کر اس کو دیکھنے لگا۔ سعدی کے انداز پہ نہیں چونکا' اس نے تو انداز نوٹ ہی نہیں کیا۔ بس بات دل کے اندر تک چیرتی ہوئی اتر گئی۔ وہ ساری تکلیف پھر سے یاد آ گئی۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

''تھینک یو سعدی' آنے کا شکریہ۔ تمہاری بہن نہیں آئی؟'' بات بدلنے کی کوشش کی۔

''نہیں وہ.... آفس سے سیدھے ادھر آ گیا۔'' سعدی نے بہانہ گھڑ دیا۔ اب کیا بتاتا کہ جب سے علیشا کا خط ملا تھا' حنہ چپ سی ہو گئی تھی۔ نہ کسی سے بات کرتی' نہ ہنستی۔ وہ ذرا ان مسئلوں سے فارغ ہو جائے پھر اس کا مسئلہ بھی دیکھ لے گا۔ اترتے سورج کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

❖❖❖

جانے کس کے لیے وا ہے ترا آغوشِ کرم ..... ہم تو جب ملتے ہیں ایک زخم نیا لیتے ہیں

جیل کی اونچی چار دیواری کے اندر اس کھلے احاطے میں وہ دونوں کنارے کنارے چل رہے تھے۔ احمر مدھم آواز میں کچھ کہہ رہا تھا' اور فارس آنکھیں سکیڑے گردن موڑ کر ایک طرف دیکھ رہا تھا'

''آپ نے سوچا ہے یہاں سے نکل کر کیا کریں گے' غازی بھائی؟''

''تم سے مطلب؟''

''تو پھر اتنا پوچھ لیں کہ میں یہاں سے نکل کر کیا کروں گا؟''

''تم وہی کرو گے جو پہلے کر کے ادھر آئے ہو۔ فراڈ اور جعلسازی۔'' اس نے اسی خشک انداز میں کہہ کر سر جھٹکا۔ احمر نے نہایت صدمے سے اسے دیکھا۔

''میں نے صرف ایک....'' انگشتِ شہادت اٹھا کر دکھائی ''صرف ایک دفعہ یہ حرکت کی تھی اور دوبارہ کبھی نہیں کروں گا۔''

''تم بالکل کرو گے۔ انسان نہیں بدلا کرتے۔ جو ایک دفعہ کرتا ہے وہ دوبارہ ضرور کرتا ہے۔'' ساتھ ہی جوتے سے کنکر کو ٹھوکر ماری۔

''اشفاق حمد نے کہا تھا، جو اچھا انسان صرف ایک دفعہ گناہ کرے اور پھر توبہ کر لے، تو وہ دوبارہ کبھی ایسا نہیں کرتا۔''

''یہ اشفاق احمد نے نہیں کہا، تم نے ابھی ابھی گھڑا ہے۔'' اس صاف گوئی پہ احمر نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''اتنے خشک کیوں ہو رہے ہیں؟ کاردار صاحب کی موت کا مجھے بھی بہت افسوس ہے' مگر....''

''کیا تم کچھ دیر خاموش نہیں رہ سکتے۔'' وہ جھلا گیا۔ احمر نے ہونہہ کر کے منہ پھیر لیا، پھر لبوں میں کچھ بڑبڑایا۔ پھر ذرا کی ذرا اس کا چہرہ دیکھا کہ بڑبڑاہٹ کا کیا ردِعمل آیا ہے' مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

''آپ کو ان پہ ابھی تک غصہ ہے؟''

''اونہوں۔ صرف افسوس ہے۔ غصے والی اسٹیج منٹ نہیں رہی ان سے کبھی۔''

''اور شاید اس بات کا بھی دکھ ہے کہ وہ آپ کی بے گناہی معلوم کیے بغیر ہی دنیا سے چلے گئے۔''

''پتہ نہیں۔'' وہ اسی طرح بے زار سا قدم اٹھاتا رہا۔ دونوں تب رکے جب راہ میں ایک سپاہی آن کھڑا ہوا۔

''تمہاری ملاقات ہے۔'' فارس کو اشارہ کیا۔

''کون؟'' وہ چونکا۔

''پراسیکیوٹر صاحبہ۔'' ان دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔ احمر کے لب ''اوہ'' میں سکڑے۔

''ایک ہفتے میں دوسری ملاقات؟ یہ چڑیل کو اتنا رحم کب سے آنے لگا؟''

مگر وہ سنے بغیر' بے تاثر اور سخت تاثرات کے ساتھ چلتا' سپاہی کے پیچھے ہولیا۔ جب اس کے سامنے آ کر کرسی پہ بیٹھا تو ابرو تنے تھے' مگر آنکھوں کی سختی میں کمی تھی۔

وہ سفید لمبی قمیض کے اوپر سیاہ منی کوٹ میں ملبوس تھی' سفید دوپٹہ شانوں پہ تھا' اور بال کیچر میں ہاف بندھے تھے۔ نگاہیں میز پہ رکھے اپنے باہم ملے ہاتھوں پہ تھیں' لونگ کی دمک برسوں بعد بھی ویسی ہی تھی۔ وہ بیٹھ چکا تو زمرد نظریں اٹھا کر اس کے چہرے تک لے گئی۔ وہ سپاٹ مگر پھٹی ہوئی نگاہیں تھیں۔

''ایک ہفتے میں دوسری دفعہ؟ اتنا رحم کب سے آنے لگا آپ کو؟'' احمر کے الفاظ (سینسر کر کے) دہرائے۔ آنکھیں اس کی بھوری آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''پہلے سننے آئی تھی' اب بولنے آئی ہوں۔ دھیان سے سننا' کیونکہ جب میں بولوں گی تو آواز باہر تک جائے گی۔'' الفاظ اس کے لبوں سے ادا ہوئے اور ماحول کا تناؤ بڑھ گیا' فارس کی آنکھوں کی نرمی مدھم ہوتی گئی۔

''کہیے۔''

''تم نے کہا' میں تصویر کا دوسرا رخ نہیں دیکھتی۔ یہ بھی کہا کہ مجھے بالکل یاد نہیں کہ کبھی میں تمہاری ٹیچر تھی۔ تم غلط تھے۔''

فارس نے گہری سانس باہر کو نکالی۔ (اسے علم ہو گیا تھا۔) وہ جیسے ڈھیروں غصہ ضبط کرتے اسے گھورتی کہہ رہی تھی۔

''جب وہ تمہارا سائیڈ کک میرے پاس آیا' تب میں صرف مشکوک ہوئی تھی' مگر فارس میں تصویر کا دوسرا رخ ضرور دیکھتی ہوں' سو اب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ ایک وفادار انسان ہے' تو یہ بھی پتہ چل گیا کہ اپنے سیل میٹ سے دغا کیوں کرے گا؟ تم لوگ جیل میں کوئی riots پلان نہیں کر رہے۔ تم جیل توڑنے جا رہے ہو۔'' اس کی سلگتی نگاہیں فارس کی آنکھوں کے اندر اتر رہی تھیں۔ وہ سپاٹ چہرہ لئے خاموش رہا۔

''ڈونٹ وری' میں اس ممکنہ جرم کو رپورٹ نہیں کروں گی۔ میرے لئے زیادہ اچھا ہے کہ تم جیل توڑو اور پھر سے وہی جرم کرو جس کے لئے اندر گئے تھے۔ پتہ ہے تم کیا کرو گے؟'' آگے جھکی، میز پہ زور سے ہاتھ مارا، دہکتی آنکھوں سے اسے تنفر سے دیکھا۔ ''دوبارہ شادی کرو گے' اور اس بیوی کو بھی مار دو گے' تم سب وائف کلرز کی سائیکی ایک ہی ہوتی ہے۔ اس لئے توڑو جیل' تاکہ سب جان لیں کہ تم گناہگار تھے اسی لئے بھاگے۔''

وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ کرسی پہ پیچھے کو ہو کر بیٹھا' منہ میں کچھ چباتے ہوئے۔ شاید کوئی کاغذ کا ٹکڑا تھا۔

''مگر تمہیں یہ پلان کسی اور کے ساتھ مل کر بنانا ہوگا کیونکہ احمر شفیع کے خلاف چارجز پراسیکیوشن ڈراپ کر رہا ہے۔ ثبوت کی عدم موجودگی کی وجہ سے۔ سو وہ جلد رہا ہو جائے گا۔'' فارس نے کوئی ردِعمل نہیں دیا۔ بس اسے دیکھتا رہا۔

''معلوم ہے کیا' اتنے سال بعد' پہلی دفعہ میں نے چند دن کے لئے فرض کر لیا تھا کہ تم بے گناہ ہو' میں تمہارا کیس خود لینے لگی تھی' میں تمہیں Presumed Innocent خیال کر کے تمہاری طرف کی کہانی کے حق میں ثبوت ڈھونڈنے جا رہی تھی' مگر.....'' اور پھر اس کی آنکھوں میں صدمہ اترا۔ نفرت سے اسے دیکھتی نفی میں گردن ہلائی۔ ''مگر تم نے پھر مجھے استعمال کیا۔ فارس تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ میں تمہاری ٹیچر تھی' سعدی کی پھپھو تھی' یا کوئی بے کار چیز جس کو تم ہمیشہ استعمال کرتے جاؤ؟ میرا یہ حال کر دیا تم نے' کیا یہ کافی نہیں تھا جو تمہیں رہائی بھی میرے کندھے پہ پیر رکھ کر چاہیے تھی؟'' آگے ہو کر ایک ایک لفظ غصے سے بولتی ہوئی زمر کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں اب نمی بھی اترنے لگی تھی۔

''اس حرکت کے لئے کسی بھی پراسیکیوٹر' یا پولیس آفیسر کو استعمال کر سکتے تھے تم' کیا مجھے استعمال کرتے ہوئے' اس لڑکے کو میرے لئے پیغام دیتے تمہیں ایک لمحے کو بھی احساس نہیں ہوا کہ تم بار بار ایک عورت کو استعمال کر رہے ہو؟ تم مجھ سے چاہتے کیا تھے؟'' غصے سے بولتے بھی ایک آنسو آنکھ سے لڑھک کر گال پہ جا گرا۔ اسے خود بھی نہیں احساس ہوا کہ کوئی آنسو گرا ہے۔

وہ تب بھی چپ رہا۔

''اور معلوم ہے میں اتنی دیر سے تمہارے سامنے کیوں بیٹھی ہوں؟ تمہارے منہ سے صرف معذرت سننے کے لئے۔ یہ کہنا اتنا مشکل نہیں تھا فارس! مجھے دوبارہ استعمال کرنے کے لئے' میری زندگی برباد کرنے کے لئے' میری صحت تباہ کرنے کے لئے کیا تم ایک دفعہ بھی معافی نہیں مانگ سکتے؟'' میز پہ زور سے ہاتھ مار کر وہ آگے کو ہوئی' آنکھیں سرخ دہک رہی تھیں۔ ''یہ کہنا اتنا مشکل نہیں تھا فارس۔'' آئی ایم سوری زمر'' بس تین الفاظ تھے' تم ایک دفعہ مجھ سے معافی مانگ کر دیکھتے' تم ایک دفعہ یہ سارے جھوٹ بولنے کی بجائے' گلٹی plead کر کے دیکھتے' میں تمہارے ساتھ کھڑی ہو جاتی۔ مگر جو تم نے اب کیا ہے نا' اس سے تم میرے دل میں موجود اپنا آخری نرم گوشہ بھی کھو چکے ہو۔ تم نے ابھی ابھی اس شخص کو گنوا دیا ہے جسے اگر تمہاری بے گناہی کا یقین ہو جاتا تو وہ تمہاری سب سے بڑی طرفدار بن سکتی تھی' مگر اب.....'' پیچھے ہوتے ہوئے تنفر سے اسے دیکھتے نفی میں گردن ہلائی۔ ''اب نہیں۔ اب مجھے تمہارے کیس میں نہ گواہ بننا ہے نہ کچھ اور۔ میں نے اپنی گواہی بھی واپس لے لی ہے' اس لئے نہیں کہ تم سے ہمدردی ہے' صرف اس لئے کہ میں تمہارے ساتھ کوئی واسطہ ہی نہیں رکھنا چاہتی۔ کیونکہ میرا تم سے کوئی ذاتی جھگڑا تھا ہی نہیں۔ اگر ہوتا تو تم دیکھتے میں کیسے تمہیں انجام دیتی ہوں۔ لیکن نہیں۔'' سر جھٹک کر میز پہ سیدھا ہاتھ مارا، وہ چپ چاپ بند ہونٹوں سے کاغذ چباتے اسے دیکھتا رہا۔ ''میں تو ایک استعمال کی شے تھی جس کے ذریعے جب چاہو تم اپنا مطلب نکالو۔ اور تمہیں ابھی بھی کوئی شرمندگی نہیں؟'' تعجب بھرے صدمے سے اسے دیکھتی وہ نفی میں چہرہ ہلا رہی تھی۔ ''فارس' تم نے مجھے اس قابل نہیں چھوڑا کہ میں کبھی اپنا گھر بسا سکوں' کبھی ماں تک نہیں بن سکتی میں!'' (اس کا چبا تا جبڑا رکا' آنکھوں میں چونکنے کا تاثر ابھرا جسے اگلے ہی پل وہ چھپا گیا۔) ''میرے کبھی بچے نہیں ہوں گے' میرا غم لئے میرا باپ وقت سے پہلے مر جائے گا' مگر تم..... کیا تم اب بھی معذرت کے تین لفظ نہیں کہہ سکتے؟ آئی ایم سوری زمر..... یہ تین لفظ بولنا اتنا مشکل نہیں ہے۔ اس سے کچھ بھی نہیں بدلے گا' میں اب کبھی تمہارے ساتھ کھڑے ہونے کا نہیں سوچوں گی' لیکن شاید..... تمہارے لئے..... یہ تمہارے اپنے لئے ہو شاید!'' تیز تیز بولتے اس کو سانس چڑھ گیا تھا۔ سو خاموش ہو گئی۔ وہ کہہ چکی تھی جو وہ کہنے آئی تھی' اور آواز باہر تک گئی تھی یا نہیں' میز کے پار بیٹھے فارس کے اندر تک ضرور گئی تھی۔

وہ آگے کو ہوا' ہاتھ باہم ملا کر میز پہ رکھے' اور سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا' اور پھر جب بولا تو ایک ایک لفظ ٹھہرا ہوا مگر مضبوط تھا۔